تنظیم اسلامی کا ترجمان

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

10

تنظیم اسلامی کا پیغام
خلافت راشدہ کا نظام

www.tanzeem.org

مسلسل اشاعت کا
30 واں سال

3 تا 9 شعبان المعظم 1442ھ / 16 تا 22 مارچ 2021ء

دورِ جدید کا سودی نظام

جو لوگ یہ خیال رکھتے ہیں کہ دورِ جدید میں سودی نظام کے علاوہ کسی اور نظام پر اقتصادی نظام استوار نہیں ہوسکتا، دراصل ایک بے حقیقت وہم ہے۔ یہ دراصل ایک بہت بڑا جھوٹ ہے اور یہ جھوٹ اس لیے رائج ہے کہ بعض طاقتور بین الاقوامی ادارے اسے محض اپنی مصلحت کے لیے زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ جس وقت بھی بین الاقوامی مالی اداروں کی نیت درست ہوگی۔ جس وقت بھی پوری انسانیت اس نظام کو بدلنے کا عزم کرے گی یا کم از کم امت مسلمہ اس کی تبدیلی کا ارادہ کرلے گی اور یہ ٹھان لے گی کہ اب وہ بین الاقوامی مالی اداروں کے چنگل سے آزاد ہونا چاہتی ہے اور وہ اپنی بھلائی کا انتظام خود کرتی ہے، اپنی خوشحالی اور ترقی کے نظام کی اساس، اخلاق اور پاکیزگی پر استوار کرتی ہے تو اسی وقت دنیا کے سامنے بالکل ایک نیا مالی نظام استوار ہو کر سامنے آجائے گا۔ یہ اسلامی نظام ہوگا اور جسے اللہ تعالیٰ نے تمام انسانیت کے لیے پسند کیا ہوا ہے۔ جس کا نفاذ عملاً ہو چکا ہے۔ اس کے سائے میں زندگی نے بھرپور مظاہرہ کیا ہوا ہے۔ اب بھی یہ نظام قابل نفاذ ہے اور اس کے تحت اقتصادی نظام منظم ہوسکتا ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ لوگ سمجھیں اور راہ ہدایت پالیں۔

تاریخ انسانیت میں اس سے پہلے بھی سودی نظام چھا گیا تھا اور اسلام نے انسانیت کو اس کے چنگل سے آزاد کرایا تھا۔ آج بھی انسانیت نے اقتصادی بے راہ روی اختیار کرلی ہے۔ اور اسے اس بے راہ روی سے صرف اسلام کا مستحکم، رحیمانہ اور سلیم الفطرت نظام نجات دلاسکتا ہے۔

العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام
سید قطب شہیدؒ

اس شمارے میں

- ہمارے ملک کی سیاست کا حال مت پوچھ
- ’’میری مرضی‘‘، نہیں اللہ کی مرضی!
- تنظیم اسلامی کی سود کے خلاف جدوجہد
- اسلام کا معاشی اور اقتصادی نظام (iv)
- حضرت اروی بنتؓ عبد المطلب
- دستِ ہنر نا اہل......

الھدیٰ (928)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

قرآن کا بیان نصیحت وعبرت کا کامل سامان ہے

سُورۃُ النُّور | بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ | آیت : 34

وَ لَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ وَّ مَثَلًا مِّنَ الَّذِیۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِکُمۡ وَ مَوۡعِظَۃً لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۳۴﴾

آیت ۳۴: ﴿وَلَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِیۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِکُمۡ﴾ ’’اور ہم نے نازل کر دی ہیں تمہاری طرف یہ روشن آیات اور ان لوگوں کے احوال بھی جو تم سے پہلے تھے‘‘

جو لوگ تم سے پہلے ہو گزرے ہیں انہوں نے جو غلط عقائد گھڑ رکھے تھے اور ان کے اندر جو معاشرتی برائیاں پائی جاتی تھیں ہم نے ان سب کی نشان دہی بھی اس کتاب میں کر دی ہے۔

﴿وَمَوۡعِظَۃً لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۳۴﴾﴾ ’’اور اہل تقویٰ کے لیے نصیحت بھی۔‘‘

سورۂ یونس کی آیت ۵۷ میں بھی قرآن کو موعظہ (نصیحت) قرار دیا گیا ہے: ﴿قَدۡ جَآءَتۡکُمۡ مَّوۡعِظَۃٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ﴾ ’’آ گئی ہے تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے۔‘‘

قرآن کا بیان نصیحت وعبرت کا کامل سامان ہے

یعنی قرآن میں سب کچھ نصیحتیں احکام اور گزشتہ اقوام کے عبرتناک واقعات بیان کر دیئے گئے ہیں۔ تاکہ خدا کا ڈر رکھنے والے سن کر نصیحت وعبرت حاصل کریں اور اپنے انجام کو سوچیں وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِیۡنَ خَلَوۡا اس کی مراد یہ ہو کہ پہلی امتوں پر بھی اسی طرح کی حدود اور احکام جاری کیے گئے تھے جو اس سورت میں مذکور ہوئے۔ اور بعض قصے بھی اس قصہ افک کے مشابہ پیش آئے جو سورت ہذا میں بیان کیا گیا ہے۔ پس جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم صدیقہ اور حضرت یوسف صدیق کی دشمنوں کے بہتان سے براءت ظاہر فرمائی، عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی براءت اور بزرگی بھی تا قیام قیامت صادقین کے قلوب میں نقش فی الحجر کر دی۔ اور دشمنوں کا منہ کالا کیا۔

فرمان نبویؐ

سود کا غبار

عَنۡ أَبِیۡ ھُرَیۡرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللہ ﷺ: ((لَیَاۡتِیَنَّ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَّا یَبۡقٰی مِنۡھُمۡ اَحَدٌ اِلَّا آکِلُ الرِّبٰوا فَاِنۡ لَّمۡ یَاۡکُلۡ اَصَابَہٗ مِنۡ غُبَارِہٖ))

(سنن ابن ماجہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یقیناً لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ کوئی نہ بچے گا لیکن وہ سود کھانے والا ہو گا جو خود سود نہ کھاتا ہو گا تو اس کا غبار ضرور اس کے اندر پہنچے گا۔‘‘

تشریح: اس حدیث کے تناظر میں ہم اگر موجودہ صورتِ حال کا تجزیہ کریں تو واضح ہوتا ہے کہ آج ہماری اکثریت سود کی لعنت میں گرفتار ہے۔ پورا تجارتی نظام سود پر منحصر ہے۔ بہت تھوڑے سے افراد اس لعنت سے بچے ہوئے ہیں۔ لیکن اس سودی نظام نے عالمی معیشت اور تجارت کو اس طرح جکڑ رکھا ہے کہ ان حلال کاروبار کرنے والوں کا مال بھی سود کے دھویں اور غبار سے محفوظ اور بچا ہوا نہیں ہے۔

ہفت روزہ
لاہور
ندائے خلافت
تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر
تنظیم اسلامی کا ترجمان، نظامِ خلافت کا نقیب
بانی: اقتدار احمد مرحوم
3 تا 9 شعبان المعظم 1442ھ جلد 30
16 تا 22 مارچ 2021ء شمارہ 10
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر: ایوب بیگ مرزا
ادارتی معاون: فرید اللہ مروت
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی
''دارالاسلام'' ملتان روڈ چوہنگ لاہور۔ پوسٹل کوڈ 53800
فون: 78-35473375 (042)
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ 54700
فون: 03-35869501 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org
قیمت فی شمارہ 15 روپے
سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک ...... 600 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا ---------------------- (2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
''مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن'' کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے
Email:maktaba@tanzeem.org
''ادارہ'' کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

ادار یہ
ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہمارے ملک کی سیاست کا حال مت پوچھ

انسانی تاریخ کی سادہ اور سطحی تعریف یہ ہے کہ اس میں قوموں کے عروج وزوال کی داستانیں رقم ہوتی ہیں تاریخ کو کھنگالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جس قوم نے بھی دنیا میں عروج پایا وہ جرأت، بہادری، محنت ومشقت، سلیقہ، دانش وتدبر، برداشت، تحمل، عدل وانصاف اور اعلیٰ اخلاق وروحانیت جیسے اوصاف میں سے کسی ایک یا کچھ اوصاف سے متصف ہوتی تھی اور ہم ڈنکے کی چوٹ پہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ عہدِ نبوی ﷺ اور دورِ خلافتِ راشدہ میں بحیثیت مجموعی اِن تمام اوصاف کی حامل امتِ مسلمہ تھی اور یہ تاریخ کا ایک ایسا سنہرا اور نادر دور تھا جو شاید تاقیامت دہرایا نہ جاسکے۔ نبوی دور سے پہلے یعنی زمانہ جاہلیت میں عربوں کی پسماندگی بھی مثالی اور تاریخی تھی لیکن خلافتِ راشدہ کے پہلے بائیس سالوں میں ہی مسلمانوں کو ترقی اور غلبہ جس سرعت سے حاصل ہوا وہ بھی عقل سے ماوراء ہے یقینا تاریخ اِس کی کوئی مثال دینے سے قاصر ہے۔ مذکورہ بالا اوصاف میں روحانیت، اعلیٰ اخلاق اور عدل وانصاف کو صحابہؓ نے خاص طور پر فوکس کیا۔ جرأت وبہادری اور دوسرے اوصاف درحقیقت اِن فوکس شدہ اوصاف کا By-Product یا نتیجہ تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ایک ایک کر کے مسلمانوں نے یہ اوصاف کھو دیے لہٰذا مسلمانوں کی پستی اور زوال کا دور شروع ہو گیا پھر چند صدیاں پہلے یہ پستی اور زوال اپنے عروج کو پہنچ گئے۔ آج دنیا میں شاید ایک مسلمان ملک بھی ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں یہ کہا جاسکے کہ وہ مکمل طور پر آزاد ہے اور غیروں کا محتاج نہیں اور خود اپنے پاؤں پر کھڑا ہے۔ مسلمانوں کا یہ دعویٰ اب ہوا میں معلق ہے کہ اِسلام ایک مکمل نظامِ حیات ہے جو تمام انفرادی اور اجتماعی مسائل کا حل پیش کرتا ہے کیونکہ اِس کا کوئی عملی نمونہ جو جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو دنیا کو دکھانے میں ہم ناکام ہو چکے ہیں۔ علاوہ ازیں اجتماعی زندگی کے گوشوں میں سے سیاسی اور معاشی سطح پر مکمل طور پر سرنڈر کر کے غیروں کے پیروکار بن چکے ہیں۔ معاشرتی سطح پر باطل کا غلبہ اگرچہ مکمل نہیں ہوا لیکن ہماری مزاحمت انتہائی کمزور ہو چکی ہے اور اِس حوالے سے بھی روز بروز پسپائی ہو رہی ہے۔ لہٰذا ہمارا حال وہی ہے جو ہنس کی چال چلنے والے کوّے کا ہوتا ہے۔

ہم نے خلافت کے نظام کو اپنے ہاتھوں سے دفن کیا اور جمہوریت کو مغرب سے مستعار لیا جبکہ ہماری رائے میں مغرب کی جمہوریت جس میں عوام کو حاکمیت اعلیٰ حاصل ہے اور مادر پدر آزادی کا تصور رکھتی ہے حاکمیت الٰہیہ کی نفی کرتی ہے۔ اِس طرزِ حکومت میں نہ تو وحی آسمانی کا قانون سازی سے کوئی تعلق ہے اور نہ ہی اِس میں شریعت کو قانون سازی کے لیے بنیاد بنایا جاتا ہے بلکہ یہ خالصتاً عوامی نمائندوں کا استحقاق ہے جو فطری تقاضوں کے مخالف بھی قانون سازی کر سکتے ہیں۔ ہمارے

نزدیک یہ شرک ہے، یہ کفر ہے البتہ جمہوریت سے منسوب وہ اخلاقی اقدار جیسے شفافیت، احتساب، چیک اینڈ بیلنس، انسانی حقوق، آزادی رائے جن کی اصلاً بنیاد اسلام نے رکھی تھی اور تقریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے دنیا نے اِس کو حکومتی کارگزاری میں عملاً کارفرما بھی دیکھا تھا۔ افسوس ہم ان کا تحفظ کرنے میں بُری طرح ناکام ہوئے اور غیر اِن اعلیٰ اقدار کو چرا لینے میں کامیاب ہوگئے پھر کچھ ڈنڈی مار کر اُنہیں اپنالیا اور یہ اعلیٰ اقدار جمہوریت سے منسوب ہوکر رہ گئیں۔ ہمارا معاملہ یہ ہے کہ ہم نے صرف جمہوریت کے نقائص کو اپنا کر اپنی صورت بگاڑ لی۔ ہماری یہ بگڑی ہوئی مسخ شدہ صورت سینٹ کے حالیہ انتخاب میں کھل کر سامنے آئی جس میں انسان بکے اور انسانوں نے ہی خریدے۔ جب شورش کشمیری نے کہا تھا۔

ہمارے ملک کی سیاست کا حال مت پوچھ
گھری ہوئی ہے طوائف تماش بینوں میں

اُس وقت ہرگز ہرگز اتنی قبیح اور گھناؤنی صورتِ حال نہ تھی جو آج ہے۔ کہنے والے نے سچ کہا ہے کہ جسم فروش عورت بدترین گناہ کا ارتکاب کرتی ہے جس کی شریعت نے سزا 100 کوڑے غیر شادی شدہ ہونے کی صورت میں مقرر کی ہے اور شادی شدہ ہونے کی صورت میں زانی اور زانیہ دونوں کی سزا سنگسار کرنا ہے، یہ سزائیں ہیں اُس فاحشہ کے لیے جو اپنا جسم بیچتی ہے لیکن جو دوسروں کا اعتماد بیچ ڈالتا ہے، جو دوسروں کی امانت میں خیانت کرتا ہے، جو ایمان بیچ ڈالتا ہے اُس کا جرم بھی کسی طرح کم نہیں ہوتا۔ رہی اُن کی بات جو امانت و دیانت کے خریدار بنے اُن کا معاملہ یہ ہے کہ اُن کی مشابہت اُس ڈاکو کی سی ہے جو کامیاب ڈاکہ مار کر اپنے ڈیرے پر لوٹتا ہے اور پھر ڈاکو اور اُس کا سرغنہ مل کر لڈیاں ڈالتے ہیں کہ دیکھا کیسا کامیاب ڈاکہ ڈالا؟

قرآن کریم ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرماتا ہے: ہم نے انسان کو پیدا کیا اعلیٰ تقویم پر اور پھر وہ ہوجاتا ہے نچلوں میں سب سے نچلا۔ اندازہ کریں کہ قوم کے سامنے ویڈیوز آرہی ہیں کہ عوامی نمائندگان یعنی ممبران اسمبلی جن کا اوّلین اور اہم ترین فریضہ قانون سازی ہے، وہ سینٹ کے اُمیدوار اور پاکستان کے سابق وزیر اعظم کے بیٹے سے قانون شکنی کا طریقہ سیکھ رہے ہیں۔ ہم اس ویڈیو کے بارے میں یہ کہہ سکتے تھے کہ یہ جعلی نہ ہو کیونکہ آج ٹیکنالوجی کے دور میں سب کچھ ممکن ہے لیکن سابق وزیر اعظم اور سینٹ کے اُمیدوار کے بیٹے نے اعتراف کیا کہ یہ ویڈیو اُس کی ہی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون! پھر ووٹوں کی اِس سوداگری کے نتیجہ میں جب جیت جاتے ہیں تو اظہارِ خوشی کرتے ہیں اور مبارک بادیں وصول کرتے ہیں، حالانکہ یہ شرم سے ڈوب مرنے کا مقام تھا۔

عجب بات یہ ہے کہ اُسی روز اُسی اسمبلی کے اُن ہی ممبران نے تحریکِ انصاف کی ایک غیر معروف خاتون کو ووٹ دے کر جتوایا اِس کا مطلب یہ ہوا کہ فروخت شدہ ممبران کی ناراضگی پارٹی یا پارٹی لیڈر سے نہیں تھی بلکہ اُنھوں نے اپنی ہی پارٹی کے اُمیدوار حفیظ شیخ کو اِس لیے ووٹ نہ دیا کیونکہ اُن کے مخالفین نے اُن بے شرموں کا منہ نوٹوں سے بھر دیا تھا۔ اِس موقع پر ہمیں اللہ رب العزت کا فرمان یاد آ رہا ہے کہ وہ اُس قوم کی حالت نہیں بدلتا جسے خود اپنی حالت بدلنے کا خیال نہ ہو۔ یہ سوچتے ہوئے دل کانپ اُٹھتا ہے کہ پھر اِس قوم کا انجام کیا ہوگا۔ لہٰذا ہمیں کیا کرنا ہوگا ہماری نجات کس میں ہے؟ قرآن پاک یہاں بھی ہماری رہنمائی فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہودیوں کی ایک بستی کا ذکر کرتے ہیں جس کے باشندے یوم سبت میں مچھلیاں پکڑتے تھے اور باز نہیں آتے تھے۔ اِس مسئلہ پر قوم تین حصوں میں تقسیم ہوگئی ایک وہ تھے جو جرم کرتے تھے، دوسرے وہ جو سب کچھ دیکھ کر خاموش رہتے تھے اور تیسرے وہ جو جرم کرنے سے روکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں صرف اُس طبقے کی کامیابی کا اعلان کیا جو اُنھیں خلافِ شریعت کام کرنے سے روکتے تھے۔

ہمارے بھی بچ نکلنے کا اِس کے سوا کوئی راستہ نہیں کہ نہ صرف منکر کے روکنے والے بن جائیں بلکہ ایسے مجرموں کے راستے کی دیوار بن جائیں۔ اور جو دین نبی اکرم ﷺ لے کر آئے اور اُسے بالفعل قائم کیا پھر خلافتِ راشدہ کے دور میں اُس میں حقیقی نکھار آیا۔ اُس دین یعنی اسلام کو پاکستان میں قائم کرنے کے لیے تن من دھن لگا دیں، یہی صراطِ مستقیم ہے۔ یہی نجات کی راہ ہے۔ یہی دنیوی اور اُخروی فلاح کا راستہ ہے۔ یہی رب کی رضا حاصل کرنے کا موجب بنے گا اور یہی راستہ جنت کو جائے گا۔ پھر یہ کہ اسی سے ہی پاکستان مضبوط اور مستحکم ہوگا۔ گویا ہم خرما و ہم ثواب کا معاملہ ہوگا۔ ان شاء اللہ!

”میری مرضی“ نہیں اللہ کی مرضی!

(سورۃ النجم کی آیت 19 تا 25 کی روشنی میں)

امیر تنظیم اسلامی محترم شجاع الدین شیخ کے جامع مسجد شادمان ٹاؤن کراچی کے ایک خطابِ جمعہ کی تلخیص

مرتب: ابو ابراھیم

خطبۂ مسنونہ اور تلاوت آیات کے بعد!

آج ہم سورۃ النجم کی آیت 19 سے مطالعہ کا آغاز کریں گے۔ان شاء اللہ۔ ان آیات میں مشرکین کے باطل عقائد کا رد بڑے احسن انداز میں کیا گیا ہے ۔ مشرکین مکہ نے 360 بت خانہ کعبہ میں رکھے ہوئے تھے اور اس کے علاوہ بھی بہت سارے علاقوں میں انہوں نے مختلف قسم کے بت بنا رکھے تھے۔سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ بعض علاقوں میں انہوں نے جھوٹے کعبے بھی بنا رکھے تھے تا کہ وہاں طواف کیا جائے اور بتوں کی پرستش کی جائے ۔دو کا ذکر سیرت کی کتابوں میں ملتا ہے کہ ان کو نبی اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر ختم کرنے کا حکم دیا۔اسی تناظر میں یہ آیات آ رہی ہیں۔فرمایا:

﴿اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی ﴿۱۹﴾﴾ ”تو کیا تم لوگوں نے لات اور عزیٰ کے بارے میں غور کیا ہے؟“

﴿وَمَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی ﴿۲۰﴾﴾ ”اور جو تیسری ایک اور (دیوی) منات ہے؟“

یہ ان کی تین دیویاں تھیں جن کو وہ معبود کا درجہ دیے ہوئے تھے اور اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے تھے۔ان میں سے ایک کا بت طائف میں تھا ، ایک کا مدینہ میں اور ایک کا مکہ میں تھا ۔ مکہ والے عزیٰ کی پوجا پاٹ کرتے تھے۔اسی لیے ابولہب کا نام عبدالعزیٰ تھا۔یعنی العزیٰ کا بندہ۔لات کی پوجا پاٹ طائف میں قبیلہ بنو ثقیف قبیلہ کرتا تھا۔اسی طرح منات کی پوجا مدینہ میں ہوتی تھی جہاں اوس ،خزرج اور دیگر قبائل اس کی پوجا پاٹ کرتے تھے ۔آپ تفاسیر کا مطالعہ کریں گے تو اس کی تفصیلات ملیں گی کہ یہ بت کب نصب کیے گئے اور ان کے پیچھے کون شخص تھا۔بہر حال یہ تینوں مونث نام ہیں اور یہ بات بھی معروف ہے کہ مشرکین مکہ نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیا ہوا تھا۔آ گے اللہ تعالیٰ ان سے کلام کرتا ہے

﴿اَلَکُمُ الذَّکَرُ وَلَہُ الْاُنْثٰی ﴿۲۱﴾﴾ ”کیا تمہارے لیے بیٹے ہیں اور اُس (اللہ) کے لیے بیٹیاں؟“

یہ مشرکین مکہ کو کہا جا رہا ہے کہ تمہارے ہاں اگر بیٹیاں پیدا ہوں تو تمہارے چہرے بگڑ جاتے ہیں، تمہیں غصہ آنے لگتا ہے، تم اپنے آپ کو ذلیل سمجھنا شروع ہو جاتے ہو اور یہ سوچتے ہو کہ یا ہم ذلیل بنے بیٹھے رہیں یا اس کو زندہ گاڑھ دیں۔تمہارا اپنا عالم تو یہ ہے تم اپنے لیے مونث کو پسند نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کے لیے تم بیٹیاں تجویز کر رہے ہو۔ اسی طرح ان دیویوں کے نام بھی تم نے مونث رکھے ہوئے ہیں اور تم سمجھتے ہو کہ یہ تمہیں اللہ کے عذاب سے بچا لیں گی۔آگے فرمایا:

﴿تِلْکَ اِذًا قِسْمَۃٌ ضِیْزٰی ﴿۲۲﴾﴾ ”یہ تو بہت بھونڈی تقسیم ہے!“

یعنی تم اپنے لیے جو چیز پسند نہیں کرتے‘ اللہ کے لیے وہی تجویز کرتے ہو۔آگے فرمایا:

﴿اِنْ ھِیَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْھَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُکُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰہُ بِھَا مِنْ سُلْطٰنٍ ط﴾ ”یہ کچھ نہیں ہے سوائے اس کے کہ کچھ نام ہیں جو رکھ لیے ہیں تم نے اور تمہارے آباء و اَجداد نے‘ اللہ نے ان کے لیے کوئی سند نہیں اُتاری۔“

شرک کا عقیدہ اک ایسا بھونڈا اور باطل عقیدہ ہے کہ انسان کے پاس اس کی کوئی عقلی دلیل بھی نہیں ہوتی اور کوئی نقلی دلیل بھی نہیں ہوتی ۔نقل سے مراد وحی کی تعلیم ہے جو منتقل ہوتی چلی آئی ہے۔اللہ نے پیغمبروں کے ذریعے انسانیت کی راہنمائی کا سامان کیا اور جتنی الہامی کتابیں نازل فرمائیں اس نقل شدہ تعلیم میں کہیں شرک کے باطل عقیدے کی دلیل موجود نہیں۔فرمایا:

﴿اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَھْوَی الْاَنْفُسُ ج﴾ ”یہ لوگ نہیں پیروی کر رہے مگر ظن و تخمین کی اور اپنی خواہشاتِ نفس کی۔“

یعنی مشرکین کے پاس اپنے باطل عقیدے کی کوئی دلیل نہیں ہے ، یہ صرف گمان کی پیروی کر رہے ہیں۔ سیرت کی کتابوں میں عمرو بن لحین نامی ایک شخص کا ذکر آتا ہے۔وہ عرب سے کسی اور علاقے میں گیا تو وہاں اس نے دیکھا کہ لوگ اپنے پچھلوں کو یاد رکھنے کے لیے ان کی یادگار بناتے ہیں اور اس میں ان کے بت نصب کر کے ان کی پوجا کرتے ہیں ۔اس کو یہ بڑا اچھا لگا اور سوچا کہ ہمیں بھی ایسا ہی کرنا چاہیے۔یہ پہلا شخص تھا جس نے عرب میں بت پرستی کی بنیاد رکھی۔یہ نبی اکرم ﷺ کی آمد سے صدیوں پرانی بات ہے۔اسی طرح کا معاملہ قوم نوحؑ کا بھی ہے جنہوں نے اپنے بزرگوں کی یادگاریں بنائیں اور پھر ان کے نام سے پانچ بت نصب کر لیے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا لا وَّلَا یَغُوْثَ وَیَعُوْقَ وَنَسْرًا ﴿۲۳﴾﴾ (نوح) ”ہرگز مت چھوڑنا وَد کو‘ سواع کو‘ یغوث کو‘ یعوق کو اور نسر کو۔“

قوم نوح میں یہ کوئی بڑے نیک لوگ گزرے تھے۔

بعد والوں کے ذہنوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کیوں نہ ان کی یادگاریں بنائی جائیں۔ شیطان نے ان کی اگلی نسل کو پٹی پڑھائی کہ کیوں نہ ان بزرگوں کے بت بنا کر نصب کیے جائیں۔ پھر اگلی نسل شیطان کے مزید پھسلانے پر ان بتوں سے حاجت روائی کو منسوب کرنے لگی اور بعد ازاں لوگوں نے سجدے کرنا شروع کر دیے اور اس طرح وہ فتنہ پیدا ہوا جو نوح علیہ السلام کی ساڑھے نو سو سال کی تبلیغ سے بھی دور نہ ہوا اور بالآخر اللہ کا عذاب مشرکین کا مقدر بن گیا۔

عرب میں بھی اسی طریقے پر شرک کا آغاز ہوا اور کرتے کرتے 360 بت انہوں نے خانہ کعبہ میں رکھ لیے۔ قرآن مجید مشرکین مکہ کے باطل عقائد کا بھی ہمارے سامنے ذکر کرتا ہے اور صدیوں پہلے کے واقعات میں سابقہ اقوام کے باطل عقائد کا جھوٹ فریب بھی کھول کر ہمارے سامنے بیان کرتا ہے تو اس میں ہمارے لیے بھی راہنمائی ہے کہ اگر ہم اللہ کے بنائے ہوئے دین میں اپنی مرضی چلائیں گے، اپنی مرضی سے اضافے کریں گے تو پھر اس کا انجام یہی ہوگا جو سابق اقوام کا ہوا۔ عیسائیت کا معاملہ دیکھیے۔ اللہ کے ساتھ جبرائیلؑ کو بھی ملا دیا اور پھر عیسیٰ علیہ السلام کو بھی اللہ سے ملا دیا اور تثلیث کا تصور گھڑ لیا کہ یہ تینوں خدا ہیں۔ حالانکہ حضرت عیسیٰؑ حضرت مریمؑ کے بطن سے پیدا ہوئے اور قرآن کہتا ہے:

﴿كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۭ﴾ (المائدہ:75) ''دونوں (انسان تھے اور) کھانا کھاتے تھے۔''

جو بھی کھانا کھاتا ہے وہ محتاج ہے اور محتاج کبھی معبود کیسے ہوسکتا ہے؟ محتاج مخلوق کو خالق کی خدائی میں شامل کرنا کس قدر بھونڈا عقیدہ ہے۔ یہ آج کے دور کے بھی مسائل ہیں۔ عیسائی کہتے ہیں کہ تم یہ تسلیم کرلو کہ اللہ نے اپنے بیٹے کو سولی دے دی تمہارے سارے گناہ معاف۔ ایک تو خدا کا بیٹا قرار دینا ہی اس قدر بڑا شرک ہے کہ یہ معبود قرار دینے کے مترادف ہے اوپر سے کہتے ہو کہ جرم کوئی بھی کرے تو بھگتے گا خدا کا بیٹا۔ معاذ اللہ! کس قدر بھونڈا عقیدہ ہے شرک کا عقیدہ۔ دنیا کی ایک عظیم اکثریت ایسے ہی بھونڈے عقائد کو مانے بیٹھی ہے جن کی ان کے پاس کوئی سند نہیں ہے۔ آج ہم اکیسویں صدی میں جی رہے ہیں لیکن ایک ارب ہندوؤں کے عقائد دیکھ لیجیے۔ گائے کو کیا تقدس دے رکھا ہے؟ ان کا وزیراعظم ڈیسائی گائے کا پیشاب پیتا تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون! اس کے پیشاب کو حصول نفع کا ذریعہ بنا دیا گیا۔ استغفر اللہ! حالانکہ بھارت وہ ملک ہے جہاں ہر سال ہزاروں پی ایچ ڈیز پروڈیوس ہو رہے ہیں اور بڑے پڑھے لکھے لوگ بھی اس باطل اور بھونڈے عقیدے کے اندر مبتلا ہیں۔ اسی طرح دنیا میں ایک عظیم اکثریت ہے جو اللہ کو چھوڑ کر یہ بھونڈے عقیدے مانے بیٹھی ہے کہ فلاں (پیر، ولی، بت) ہمارے نفع ونقصان کا اختیار رکھتا ہے، فلاں اولاد دے گا، فلاں ہماری اسمگلنگ کی شپ پار کرا دے گا، فلاں ہمارے رزق کے معاملات کو سمیٹ دے گا، فلاں میری مشکل کو دور کر دے گا۔ حالانکہ یہ سب ان لوگوں کا اپنا گھڑا ہوا گمان ہے۔ فرمایا:

﴿اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ﴾

''یہ لوگ نہیں پیروی کر رہے مگر ظن وتخمین کی اور اپنی خواہشاتِ نفس کی۔''

کتنا خوشنما خیال ہے کہ تم گناہ کرو، لوگوں کو قتل کرو، جوا کھیلو، شراب پیو، حرام خوری بھی کرو، لوگوں کے حقوق کو بھی پامال کرو اور اس سب کے بعد یہ گمان رکھو کہ فلاں دیوی چھڑا لے گی، فلاں پیر بیڑا پار لگا دے گا یا یہ تصور کرلو کہ خدا نے بیٹے کو سولی پر چڑھا دیا ہے اس لیے اب تم سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ یہ دراصل نفس کی پیروی ہو رہی ہے حق کی نہیں ہو رہی۔

اللہ ہمارے سامنے یہ سب کیوں بیان کرتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے ہمیں صحیح عقیدے پر رکھا۔ اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور جن تک بات نہیں پہنچی ان تک پہنچانی چاہیے۔ صرف تنقید کافی نہیں۔ ختم نبوت کے بعد یہ

پریس ریلیز 12 مارچ 2021ء

دہشت گردی اور ٹارگٹ کلنگ کے بڑھتے ہوئے واقعات انتہائی تشویشناک ہیں

شجاع الدین شیخ

دہشت گردی اور ٹارگٹ کلنگ کے بڑھتے ہوئے واقعات انتہائی تشویشناک ہیں۔ یہ بات تنظیم اسلامی کے امیر شجاع الدین شیخ نے ایک بیان میں کہی۔ اُنھوں نے کہا کہ ماضیٔ قریب میں پاکستان میں جو دہشت گردی کا خوفناک سلسلہ جاری تھا اُسے ہمارے سیکیورٹی ادارے اللہ تعالیٰ کی مدد اور عوام کے تعاون کے ساتھ کم ترین سطح پر لے آئے تھے۔ لیکن ہمارے دشمن ممالک خاص طور پر بھارت اور امریکہ ہماری اِس کامیابی کو ہضم نہ کرسکے۔ یہی قوتیں افغانستان کی کٹھ پتلی حکومت کی پشت پناہی کر کے ایک مرتبہ پھر پاکستان میں دہشت گردی کا سلسلہ بڑھانا چاہتی ہے۔ پنجاب میں موٹر سائیکل سواروں کا قانون نافذ کرنے والے اداروں کے اہلکاروں پر دہشت گرد حملوں کا سلسلہ اور دوسری طرف کراچی اور ملک کے دیگر حصوں میں بم دھماکوں کی صورت میں دہشت گردی کا ارتکاب ان شواہد کی تصدیق کرنے کے لیے کافی ہے کہ افغانستان کی خفیہ ایجنسی "NDS" اور بھارت کی خفیہ ایجنسی ''را'' پاکستان میں موجود دہشت گردوں کے تعاون سے ملک میں آگ اور خون کا کھیل کھیل رہے ہیں۔ اُنھوں نے حکومتِ وقت سے مطالبہ کیا کہ وہ فوری طور پر اس کا نوٹس لے اور دہشت گردوں اور اُن کے سہولت کاروں کو نہ صرف گرفتار کرے بلکہ دہشت گردی کے نیٹ ورکس کا مکمل خاتمہ کرے اور فساد فی الارض کے اِن مجرموں کو قرار واقعی سزا دی جائے تاکہ ملک میں امن وامان کی بحالی کو یقینی بنایا جا سکے۔

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر واشاعت، تنظیم اسلامی، پاکستان)

اس اُمت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان لوگوں تک دین کی بات، اصلاح کی بات پہنچائے جو ابھی تک اس گمراہی میں مبتلا ہیں۔ فرمایا:

﴿اِنۡ یَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهۡوَی الۡاَنۡفُسُ ۚ وَلَقَدۡ جَآءَهُمۡ مِّنۡ رَّبِّهِمُ الۡهُدٰی ﴿۲۳﴾﴾ ''یہ لوگ نہیں پیروی کر رہے مگر ظن وتخمین کی اور اپنی خواہشاتِ نفس کی۔ جب کہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے الہدیٰ آ چکا ہے۔''

اللہ نے انسانوں کو اندھیرے میں نہیں رکھا ہے۔ پیغمبروں کو بھیجا گیا، کتابیں نازل کی گئیں اور پھر ہر انسان کی فطرت میں خیر وشر اور نیکی وبدی کا شعور دیا گیا۔ یعنی حق لوگوں پر واضح کیا گیا ہے۔ اب اس سب کو چھوڑ کر جو اپنی مرضی چلائے اور اپنی خواہش کی پیروی کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کا مجرم قرار پائے گا۔ ہمارے ہاں ایک بڑا مرغوب نعرہ ہے: میرا جسم میری مرضی۔ 8 مارچ کو پھر یہ بگاڑ آیا۔ اللہ ہمارے عوام اور حکمرانوں دونوں کو سمجھ دے۔ اللہ کی واضح ہدایات کے مقابلے میں اپنی مرضی چلانا کھلی گمراہی ہے۔ البتہ حلال چیزوں کے انتخاب میں اپنی مرضی استعمال کر سکتے ہیں لیکن حرام استعمال کرنے میں اپنی مرضی استعمال کرنا صریح گناہ ہے۔ یہ بھونڈے عقیدے تب آئے جب پیغمبروں کی واضح ہدایت کو چھوڑ کر اپنے نفس کی پیروی کی ہے۔ آگے فرمایا:

﴿اَمۡ لِلۡاِنۡسَانِ مَا تَمَنّٰی ﴿۲۴﴾﴾ ''کیا انسان کو وہی کچھ مل جائے گا جس کی وہ آرزو کرتا ہے؟''

﴿فَلِلّٰهِ الۡاٰخِرَةُ وَالۡاُوۡلٰی ﴿۲۵﴾﴾ ''پس آخرت اور دنیا سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔''

یعنی جو لوگ اپنی مرضی کے دین بنا کر اپنی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں کہ فلاں بت، فلاں پیر، فلاں دیوی آخرت میں عذاب سے بچا لے گی تو کیا ان کی یہ خواہش ان کی مرضی کے مطابق پوری ہو جائے گی؟ اللہ تعالیٰ تو یہاں تک فرماتا ہے: ﴿وَمَا تَشَآءُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۲۹﴾﴾ ''اور تمہارے چاہے بھی کچھ نہیں ہو سکتا جب تک کہ اللہ نہ چاہے جو تمام جہانوں کا ربّ ہے۔'' (التکویر)

تم جو چاہو وہ ہو جائے ممکن نہیں، دنیا وآخرت پر کل اختیار اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ہے۔ دنیا میں اگر انسان کو کچھ اختیار حاصل ہے تو وہ صرف امتحان کے لیے ہے کہ وہ نیکی کے راستے پر چل رہا ہے یا بدی کے راستے پر۔

﴿الَّذِیۡ خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَالۡحَیٰوةَ لِیَبۡلُوَکُمۡ اَیُّکُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ؕ﴾ (الملک: 2) ''جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے اعمال کرنے والا ہے۔''

آنکھ اللہ نے دیکھنے کے لیے بنائی ہے انسان لاکھ کوشش کرلے کہ آنکھ سن لے لیکن نہیں سن سکتی۔ ایک اندھا لاکھ چاہے کہ وہ اپنے کانوں سے دیکھ لے لیکن نہیں دیکھ سکتا۔ ہم اپنی چاہت سے نہ دیکھ سکتے نہ سن سکتے ہیں۔ اللہ کا اختیار ہے کہ وہ ہمیں دکھا بھی رہا ہے، سنا بھی رہا ہے۔ اس لحاظ سے انسان ٹوٹلی بے بس ہے۔ البتہ جو اختیار انسان کو اللہ نے دیا ہے وہ میدانِ عمل میں ہے کہ وہ کیا کرتا ہے؟ بقول شاعر ؎

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے!

اب اس اختیار کو استعمال کر کے چاہے تو انسان اللہ کی بندگی اختیار کرے اور کہے:

﴿قُلۡ اِنَّ صَلَاتِیۡ وَنُسُکِیۡ وَمَحۡیَایَ وَمَمَاتِیۡ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۶۲﴾﴾ (الانعام) ''آپ کہیے میری نماز میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔''

نماز میں کھڑا ہے تو کہے: ﴿مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ؕ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ؕ﴾ (الفاتحہ) ''جزا وسزا کے دن کا مالک ومختار ہے۔ ہم صرف تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے اور ہم صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں اور چاہتے رہیں گے۔''

یعنی انسان اللہ کی بندگی اختیار کر کے آخرت میں سرخرو ہو جائے، چاہے تو سرکشی کر کے فرعون ونمرود کی طرح خدائی کا دعویٰ کر دے لیکن کل تو اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے۔ فرمایا: ﴿اِنَّا هَدَیۡنٰهُ السَّبِیۡلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّاِمَّا کَفُوۡرًا ﴿۳﴾﴾ (الدھر) ''ہم نے اس کو راہ سجھا دی، اب چاہے تو وہ شکر گزار بن کر رہے، چاہے ناشکرا ہو کر۔''

اسی اختیار پر اللہ تعالیٰ کے ہاں پوچھ گچھ ہوگی۔ کسی کی سیاہ رنگت ہے، کوئی گورا ہے اس پر کوئی پوچھ گچھ نہیں ہوگی۔ ابولہب بڑا سرخ وسپید تھا لیکن انجام کیا ہوا: ''ٹوٹ گئے ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ تباہ وبرباد ہو گیا۔ کچھ کام نہ آیا اس کے اس کا یہ مال اور وہ کمائی جو اس نے کی ہے۔ عنقریب وہ جھونکا جائے گا بھڑکتی ہوئی آگ میں۔'' (اللھب)

اس کے مقابلے میں سیدنا بلال رضی اللہ عنہ جنت کے سرداروں میں شامل ہو گئے اور محمد رسول اللہ ﷺ ان کے قدموں کی آواز معراج کی شب جنت میں سنتے ہیں۔

اس اعتبار سے جان لیجئے کہ کس کو کم دیا، کس کو زیادہ دیا، یہ اللہ کے اختیار میں ہے۔ انسان کا اختیار میدانِ عمل تک محدود ہے کہ وہ اللہ کی نازل کردہ ہدایات کے مطابق زندگی گزار کر جنت کا مستحق ٹھہرتا ہے یا پھر اپنی خواہشات کی پیروی کر کے جہنم کو مقدر بنا لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''پس جس نے سرکشی کی تھی۔ اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی تھی۔ تو یقیناً اس کا ٹھکانہ اب جہنم ہی ہے۔''

(النازعات: 37 تا 39)

جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا اور اپنے نفس کی خواہش کی پیروی سے اس نے اپنے آپ کو روکا اور بچایا تو جنت اس کا ٹھکانا ہے۔ پوچھا گیا جنت کا راستہ کیا ہے؟ کہا: ایک قدم نفس پر دوسرا قدم جنت میں۔ شیطان نے بھی اپنی مرضی چلائی تھی۔ اللہ نے حکم دیا سجدے کا لیکن اس نے کہا یہ درست نہیں۔ انسانیت کو یہ سبق پہلے دن سے پڑھایا گیا اور قرآن میں بھی قصہ آدم و ابلیس کو الگ الگ مقامات پر سات مرتبہ بیان کیا تاکہ انسان سمجھ جائے کہ اس کی کامیابی اسی میں ہے کہ وہ اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی کے تابع کر دے۔ مسلمان اسے کہتے ہیں جو اپنے آپ کو جھکا دے۔ اسلام کیا ہے: اپنے آپ کو اللہ کے سامنے جھکا دینا۔ ہم ہر اذان میں اور ہر نماز میں کتنی مرتبہ اللہ اکبر کی صدا سنتے اور کہتے ہیں۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہمارے ہر عمل میں اللہ بڑا ہو۔ یعنی ہمارا ہر عمل اللہ کی ہدایات کے تابع ہو۔ اس تناظر میں ہمیں اپنا جائزہ لینا چاہیے کہ ہمارے روزمرہ معمولات میں اللہ بڑا ہے یا پھر ہماری ''میں''، ہماری مرضی بڑی ہے۔ یہی اصل امتحان ہے۔ جب تک ہماری ''انا'' فنا نہیں ہوگی اُخروی کامیابی نہیں مل سکتی۔ اللہ نے واضح کر دیا: ''اور اُس نے روکے رکھا اپنے نفس کو خواہشات سے۔ تو یقیناً اُس کا ٹھکانہ جنت ہی ہے۔'' (النازعات: 40، 41)

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو عقیدے کی اصلاح کی توفیق عطا فرمائے اور اعمال کی اصلاح کی توفیق دے، ہم آخرت کو سامنے رکھیں۔ نفس کی پیروی ایسی نہ ہو جس سے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا حکم ٹوٹتا ہو۔ کیونکہ اسی میں بربادی ہے۔ اللہ ہمیں توفیق دے کہ ہم اپنے آپ کو، اپنی خواہشات کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے تابع کر لیں کیونکہ یہی راستہ ہے جو جنت کی طرف لے جانے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

انجینئر مختار فاروقی
0301-6998587
Email:hikmatbaalgha1@yahoo.com

14 حضورِ حق ـ 4 ـ (III)

سرودِ رفتہ باز آید کہ ناید؟
نسیمے از حجاز آید کہ ناید؟
سر آمد روزگارِ ایں فقیرے
دگر دانائے راز آید کہ ناید؟

ترجمہ و تشریح بیسویں صدی عیسوی کے پہلے چار عشروں (1901ء سے 1938ء تک) کے بعد عالمی حالات اس تیزی سے بدلے اور جغرافیہ، نئے ممالک کی تشکیل وترقی، تیل (پٹرول) کی کمرشل بنیادوں پر تیاری وترسیل کے مراحل اس تیزی سے وقوع پذیر ہوئے کہ عالمی حالات سے باخبر (ریڈیو، اخبارات اور رسائل کو دیکھنے والے) حضرات مغربی میڈیا کے اس سحر میں گرفتار ہو گئے تھے (جیسے آج بہت سے لوگ امریکہ کے بارے میں سمجھتے ہیں) کہ برطانوی سامراج کے اقتدار کا سورج کبھی غروب نہیں ہوگا مگر پہلی جنگ عظیم میں نقصانات کے باجود برطانیہ اپنا رعب قائم رکھنے میں کامیاب رہا۔ ایران، مشرقِ وسطیٰ، سعودی عرب میں تیل دریافت ہو گیا تھا اور برطانیہ اور یورپی ممالک اس کو استحقاق سمجھ کر استعمال کر رہے تھے۔ مسلمانوں کی عوامی روایات میں ہے کہ چودھویں صدی ہجری میں حالات خراب ہوں گے اور (1301ھ کے قریب) عوام پر 1282ء کے بعد سے حالات کے دگرگوں ہونے کا ہول طاری تھا۔ خود علامہ اقبال اپنے کلام میں اہلسنت کے تصورِ مہدی کے مطابق حجاز سے کسی مردِ دانا اور دانائے راز کی آمد اور حالات کی اصلاح کا تصور رکھتے تھے۔ ان کی ایک نظم (زبورِ عجم حصہ دوم نظم 12) میں ہے

خضرِ وقت از خلوتِ دشت حجاز آید بروں
کارواں زیں وادیٔ دور دراز آید بروں

وقت کا خضر یعنی عظیم مسلمان رہنما خلوتِ دشت حجاز سے نکلے گا (ان الفاظ میں علامہ اقبال نے شیعہ تصور میں 12ویں امام اور اہل سنت کے تصورِ مہدی کو قریب ترین کر دیا ہے) اس کی مدد کے لیے وادیٔ سندھ کے دور دراز علاقے سے کارواں جائیں گے۔ یاد رہے کہ افغانستان کا بیشتر حصہ وادیٔ سند میں شامل ہے کہ دریا کابل اٹک سے اوپر دریائے سندھ میں ہی گرتا ہے۔ گویا وادیٔ سندھ سے مراد افغانستان، موجودہ پاکستان اور پورا کشمیر ہے۔

من بہ سیمائے غلاماں فرِ سلطان دیدہ ام
شعلہ محمود از خاکِ ایاز آید بروں

میں اپنی غلام قوم کے نوجوانوں کی پیشانیوں پر آزادی کے بعد سلطانی وحکومت واقتدار کے نشانات محسوس کر رہا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ غلام ایاز کی خاک (ایاز کی مرقد لاہور میں ہے) سے محمود غزنوی کی تڑپ اور شان کے لوگ پیدا ہوں گے۔

علامہ اقبال نے اس شعر کا پہلا مصرع علی گڑھ کے طلبہ کے سامنے کہا تھا اور علامہ کی یہ مردم شناسی اور پیشگوئی صد فیصد درست ثابت ہوئی، قیامِ پاکستان میں علی گڑھ کے طلبہ نے ہراول دستہ کا کام کیا اور پاکستان بننے کے 25 سال بعد علیگ طلبہ ہی سیاست و حکومت پر چھائے رہے۔ حجاز میں پہلی جنگ عظیم سے قبل سے 1932ء کی اکھاڑ پچھاڑ اور آلِ سعود کی حکمرانی کے حالات سے علامہ اقبال کا یہ گمان تھا کہ ان حالات میں حجاز میں مہدی تشریف لائیں گے۔ اسی تصور کے تحت انہوں نے اسلام کی عظمت رفتہ کی بحالی کی بات کو 'سرودِ رفتہ' کہہ کر (جو ترکی میں 1924ء میں تنسیخ ادارہ خلافت کے بعد عالمی سطح پر سنائی دے رہے تھے) اہل سنت کے مہدی کے حجاز میں آنے کی اُمید سے اسلام کی بہتری کا ذکر کیا ہے کہ حجاز سے ٹھنڈی ہوا کا کوئی جھونکا (اچھی خبر) آیا ہے یا نہیں۔

علامہ اقبال تیسرے مصرع میں فرماتے ہیں کہ میں نے جہاں تک ممکن ہوا اپنے ہم وطن مسلمانوں کو حالات کی سنگینی سے آگاہ کیا اور حتی المقدور صحیح انداز میں اور عالمی تناظر میں راہِ عمل (GUIDE LINE) دینے کی کوشش کی ہے مگر میری عمر کا پیمانہ لبریز ہوا چاہتا ہے اور مجھے اپنے حصے کا کام مکمل ہونے کا احساس ہو چکا ہے۔ مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ اس کی شان کریمی سے جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے لیے کوئی حکیم و دانائے راز شخصیت اُبھر کر سامنے آئے گی اور اس مقہور ومظلوم ومجبور مسلمان قوم کو مغربی سامراج اور ہندو سامراج کی دوہری غلامی سے بچائے گی۔ تاکہ احادیث مبارکہ میں وارد پانچ ادوار تاریخ عالم میں چوتھے دور___ ملکاً جبریًا یعنی غلامی کے دور سے اُمت مسلمہ آزاد ہو اور پانچواں دور دورِ خلافت خلافت دنیا میں دوبارہ آسکے☆۔ نامعلوم اگلا دانائے راز آتا ہے یا نہیں، یا کب آتا ہے؟ یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔

☆ قرآن مجید میں اس کا تذکرہ یوں ہے:
ترجمہ: ''بے شک فرعون نے ملک میں سر اُٹھا رکھا تھا اور وہاں کے باشندوں کو گروہ گروہ بنا رکھا تھا ان میں سے ایک گروہ کو (یہاں تک) کمزور کر دیا تھا کہ ان کے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتا تھا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا۔ بے شک وہ مفسدوں میں سے تھا۔ اور ہم چاہتے تھے کہ جو لوگ ملک میں کمزور کر دیے گئے ہیں اُن پر احسان کریں اور ان کو پیشوا بنائیں اور انہیں (ملک کا) وارث کریں۔ اور ملک میں ان کو قدرت دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر کو وہ چیز دکھا دیں جس سے وہ ڈرتے تھے''۔
(القصص: 4 تا 6)

سود کے خلاف جدوجہد ہر مسلمان کی دینی ذمہ داری ہے البتہ سب سے بڑی ذمہ داری اسلامی ریاست پر عائد ہوتی ہے کہ وہ ملک سے سودی نظام کا خاتمہ کر کے اسلامی نظام کو قائم کرے تاکہ عوام کے حقوق کی ادائیگی ممکن ہو سکے۔

سود ایسا منکر ہے جس کے خلاف جہد وجہد کو اگر تمام دینی جماعتیں ایک سنگل پوائنٹ ایجنڈے کے طور پر لے کر چلیں تو یہ دین کے کامل نفاذ کی جانب ایک بہت بڑا اقدام ہو سکتا ہے۔ حافظ عاطف وحید

تنظیم اسلامی کی سود کے خلاف جدوجہد کے موضوع پر

حالات حاضرہ کے منفرد پروگرام ”زمانہ گواہ ہے“ میں انچارج شعبہ تحقیق اسلامی حافظ عاطف وحید کا اظہار خیال

میزبان: وسیم احمد

سوال: سود کے خلاف جدوجہد کرنا کیا صرف دینی جماعتوں کی ذمہ داری ہے یا معاشرے کے دوسرے طبقات کا بھی کام ہے؟

جواب: نبی اکرم ﷺ کا فرمان بڑا واضح ہے:

”تم میں سے جو شخص برائی کو دیکھے وہ اسے اپنے ہاتھ (طاقت) سے بدلے، اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے (منع کرے) اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل سے (برا جانے)، اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔“ (صحیح مسلم)

یہ حکم ہر شخص کے لیے ہے البتہ اس کی استطاعت ایک شرط کے طور پر رکھ دی گئی ہے کہ اگر استطاعت ہے تو ہاتھ سے روکو، نہیں ہے تو زبان سے منع کرو اور اگر وہ بھی نہیں ہے تو دل میں اسے برا جانو۔ یہ ایمان کا سب سے نچلا درجہ ہے۔ اس اعتبار سے یہ ہر کلمہ گو کی ذمہ داری ہے۔ لیکن کچھ طبقات ایسے ہوتے ہیں جو علم اور استطاعت میں دوسروں سے ممتاز ہوتے ہیں اس لیے ان کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے۔ جیسے حکومت اور ریاست کے پاس تنفیذ کی قوت ہوتی ہے اور وہ حکم نافذ کر سکتی ہے، ان کے پاس وسائل بھی ہوتے ہیں اسی لیے ایک اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ ریاست کے اندر منکرات کا خاتمہ کرے اور معروفات کا پرچار بھی کرے اور ان کی تنفیذ بھی کرے۔ اس اعتبار سے سب سے بڑی ذمہ داری حکمرانوں کی ہے اور یہ حکمرانی کوئی asset نہیں ہے بلکہ یہ بہت بڑی liability ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ چونکہ اہل علم بہت سے معاملات سے واقف ہوتے ہیں اور عام آدمی کی نسبت ان کو اس بات کا زیادہ علم ہوتا ہے کہ شریعت میں کہاں گنجائش ہے اور ترجیحات کس درجے کی ہیں اس لیے اہل علم کا فرض اور ذمہ زیادہ بن جاتا ہے۔ اس اعتبار سے اگر دینی جماعتیں اس کام کے لیے کوشاں ہیں اور محنت کر رہی ہیں تو وہ اپنی ذمہ داری ادا کر رہی ہیں جو ان پر دین کی طرف سے عائد ہوتی ہے۔ اس حوالے سے تنظیم اسلامی کی مساعی کی ایک تاریخ ہے۔ تنظیم نے سود کے خاتمے اور لوگوں کو منکرات سے آگاہ کرنے کے حوالے سے ایک طویل جدوجہد کی ہے۔ اصل میں ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم جو کام کر رہے ہیں وہ قرآن حکیم کی ایک آیت (الاعراف: 164)

مرتب: محمد رفیق چودھری

کے حوالے سے قطع عذر کے طور پر بھی کر رہے ہیں اور مَعۡذِرَۃً اِلٰی رَبِّکُمۡ کے حوالے سے کر رہے ہیں۔ آیت کا پس منظر یہ ہے کہ شریعت موسوی میں بنی اسرائیل کے لیے یہ قانون واضح تھا کہ وہ سبت (ہفتہ) کے دن سوائے اللہ کی عبادت کے کوئی اور کام نہیں کریں گے لیکن بنی اسرائیل نے حیلے بہانوں سے اس دن مچھلیوں کو جال میں پھنسانے کا کام شروع کر دیا۔ اس پر بنی اسرائیل کے تین گروہ بن گئے۔ ایک وہ جو اس منکر کا ارتکاب کر رہے تھے، دوسرے وہ جو ان کو منع کر رہے تھے اور تیسرے وہ جو خاموش بیٹھے ہوئے تھے اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے والوں کو نرم رویہ اختیار کرنے کا مشورہ دے رہے تھے۔ اس پر قرآن نے فرمایا:

”اور جب کہا ایک گروہ نے ان میں سے کہ کیوں نصیحت کر رہے ہو ان لوگوں کو جنہیں یا تو اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا پھر انہیں عذاب دینے والا ہے بہت سخت عذاب۔‘ انہوں نے کہا کہ تمہارے رب کے ہاں معذرت پیش کرنے کے لیے‘ اور شاید کہ وہ تقویٰ اختیار کر ہی لیں۔“ (الاعراف: 164)

اگلی آیات میں ان لوگوں کے بارے میں مزید وضاحت موجود ہے کہ جب ان کا فسق و فجور اپنی انتہا کو پہنچ گیا تو پھر اللہ نے ان کو ایک سخت ترین سزا دی جو انسانی تاریخ کی سخت ترین سزا تھی کہ ان کی شکلیں مسخ کر دی گئیں اور بندروں کی شکلیں بنا دی گئیں۔ البتہ جنہیں بچا لیا گیا وہ قرآن کے مطابق وہ تھے جو نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کر رہے تھے۔ اس اعتبار سے یہ ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ کیا ہم خاموش اکثریت میں رہنا چاہتے ہیں یا غلط کاری میں مبتلا لوگوں میں اپنا شمار کروانا چاہتے ہیں یا ہم اپنے آپ کو ان لوگوں کی صف میں شامل کرنا چاہتے ہیں جو اللہ کے حضور یہ عذر پیش کر سکیں کہ اے اللہ! جو ہماری ذمہ داری تھی وہ ہم نے پوری کی ہے۔ دینی جماعتیں اپنی جگہ ذمہ دار تو ہیں کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیں اور عام لوگ بھی ذمہ دار ہیں جنہیں اس کا شعور حاصل ہو جائے۔ البتہ جن کے ہاتھ میں اختیار ہے وہ سب سے بڑھ کر ذمہ دار ہیں۔ بالخصوص پاکستان میں کیونکہ پاکستان کا آئین، قانون سب کا سب اس بات کا آئینہ دار ہے کہ پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے یہاں پر اسلام کا نظام نافذ ہونا چاہیے، یہاں شریعت کا بول بالا ہو اس کے برعکس اگر یہ لوگ ایک منکر اعظم (سود) پر مصر رہیں تو یقیناً یہ ایک بہت بڑی جسارت ہے جس کے وبال سے اللہ ہمیں بچائے۔

سوال: دینی جماعتیں الگ الگ جدوجہد کر رہی ہیں۔ یہ جماعتیں متحد ہو کر کسی ایک پلیٹ فارم سے جدوجہد کریں تو کیا یہ زیادہ موثر نہیں ہوگا؟

جواب: سود کے حوالے سے ایک کیس عدالت میں زیر سماعت ہے جس میں مختلف دینی جماعتوں نے پیٹیشنز

دائر کر رکھی ہیں۔ جب بھی اس کی سماعت شروع ہوتی ہے اور کوئی بینچ بنتا ہے تو دینی جماعتیں بھی اپنے اپنے طور پر متحرک ہو جاتی ہیں۔ جیسے آج کل ہو رہا ہے۔ جہاں تک سود کے خلاف دینی جماعتوں کی جدوجہد کے نتیجہ خیز ہونے کا سوال ہے تو سود ایک ایسا منکر ہے جس کے خلاف جدوجہد کو اگر تمام دینی جماعتیں ایک سنگل پوائنٹ ایجنڈے کے طور پر لے کر چلیں تو یہ دین کے کامل نفاذ کی طرف ایک بہت بڑا قدم ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ ہمارا دینی مسئلہ بھی ہے، یہ ہمارا معاشرتی مسئلہ بھی ہے اور ہمارا معاشی مسئلہ بھی ہے۔ گویا اس کی مرکزیت ہے۔ پاکستان جس مقصد کے لیے قائم کیا گیا تھا وہ ابھی تک شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکا۔ اس لیے کہ قیام پاکستان کے فوراً بعد یہاں وہی معاشی نظام رائج کر دیا گیا جو اس سے پہلے انگریز چھوڑ کر گئے تھے جس سے مغرب کی ڈائریکٹ حکمرانی اِن ڈائریکٹ حکمرانی میں تبدیل ہو گئی۔ قائداعظم نے قیام پاکستان کے فوراً بعد (1948ء) میں سٹیٹ بینک کی عمارت کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ مغرب کے معاشی نظام نے دنیا کو سوائے ہلاکتوں کے اور تباہیوں کے کچھ نہیں دیا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جنگ عظیم اوّل اور دوئم کے بنیادی محرکات بھی معاشی تھے۔ قائداعظم کی اس تقریر کے نتیجے میں ہونا یہ چاہیے تھا کہ ہم دینی بنیادوں پر ایک ایسا معاشی نظام اُستوار کرتے جس میں اسلام کے اصولِ اخوت، بھائی چارہ، مدد، قربانی وغیرہ پرائمری فیکٹر کے طور پر شامل ہوتے اور اس کے اندر سود کی بجائے کاروبار، شراکت، مضاربت یا لین دین کے جو بھی جائز طریقے ہیں وہ اپنائے جاتے اور اس میں Lending on the basis of interest کا کوئی مقام نہ ہوتا۔ لیکن ہم اس میں بُری طرح سے ناکام رہے۔ اب تو اللہ کی طرف سے حجت پوری ہو چکی ہے کہ ہمیں اپنے قبلے کو درست کر لینا چاہیے۔ چنانچہ اگر یہ تحریک Momentom حاصل کر لیتی ہے اور اس کے نتیجے میں مختلف پلیٹ فارمز سے کام کرنے والی تحریکات ایک پلیٹ فارم پر آ جاتی ہیں تو یہ تحریک اسلام کے نفاذ کے لیے پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہے۔ پھر اسی کے ذریعے بقیہ شریعت کی تنفیذ کی راہیں کھلیں گی۔ کیونکہ اعمال میں سود سب سے بڑا منکر ہے جس نے کینسر کی طرح سرایت کیا ہوا ہے اور اس نے ہمارے معاشرے کو اس قدر بری طرح جکڑ لیا ہے کہ ہمارے لوگوں کے اندر سے یہ احساس ہی مر گیا ہے کہ ہمیں بحیثیت مسلمان کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا۔ جبکہ سود کے مقابلے میں دوسرے منکرات چھوٹے ہیں۔ ان کو ختم کرنے کے لیے زیادہ تگ و دو نہیں کرنی پڑے گی۔

سوال: وفاقی شرعی عدالت میں انسداد سود کیس کی تازہ ترین صورت حال کیا ہے؟

جواب: کسی بھی ملک میں نظام کو چلانے کے لیے قانون اور آئین کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ جہاں تک قانون کی بات ہے تو تقریباً 22 یا 23 قوانین کے ذریعے اس سودی نظام کو چلایا جا رہا ہے۔ ان قوانین کے حوالے سے عدالت سے دو مرتبہ (1991ء اور 1999ء میں) فیصلہ آ چکا ہے کہ ان میں جس سود اور انٹرسٹ کا ذکر ہے وہ ربا کے سوا کچھ نہیں۔ لیکن 2002ء میں اس کیس کو دوبارہ وفاقی شرعی عدالت کی طرف ریمانڈ کیا گیا جو کہ ہماری تاریخ کا بھیانک ترین باب ہے۔ 2013ء میں بڑی محنت کے بعد یہ کیس دوبارہ سماعت کے لیے فکس ہوا۔

> سود نے ہمارے معاشرے میں کینسر کی طرح سرایت کیا ہوا ہے جس کی وجہ سے مسلمانوں کے اندر سے یہ احساس ہی مر گیا ہے کہ بحیثیت مسلمان ہماری کیا ذمہ داریاں ہیں۔

اس کے بعد سے اب تک مختلف تاخیری حربے استعمال کیے جا رہے ہیں۔ ایک بینچ بنتا ہے، جب سماعت شروع ہوتی ہے تو ٹوٹ جاتا ہے۔ اب تک چار بینچ بن چکے ہیں، کبھی تعریف پر بحث ہو رہی ہے، کبھی دائرہ کار پر بحث ہو رہی ہے اور بظاہر یہ سب صرف تاخیری حربے ہیں۔ موجودہ صورت حال یہ ہے کہ نومبر 2020ء میں آخری بینچ بنا اور اب تک چار یا پانچ سماعتیں ہوئی ہیں۔ آخری سماعت 3 فروری 2021ء کو ہوئی۔ اس سے قبل سٹیٹ بینک کے وکیل کو کہا گیا تھا کہ آپ دائرہ کار کے حوالے سے اپنا جواب تحریراً جمع کرائیں اور پھر کورٹ نے انہیں تقریباً 7 سوالات دیے تھے کہ ان کے جوابات ہمیں چاہئیں جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ اب تک اسلامائزیشن آف اکانومی کے ضمن میں کیا پیش رفت ہوئی ہے۔ لیکن سٹیٹ بینک کے وکیل نے پہلے بھی کافی تاخیر کی اور اپنا کوئی جواب جمع نہیں کرایا لیکن 3 فروری کے سیشن میں وہ تشریف ہی نہیں لائے، بلکہ ان کی جگہ پر اٹارنی جنرل صاحب موجود تھے۔

سوال: سود کا خاتمہ یا سٹیٹس کو! اس وقت حکومتی موقف کیا ہے؟

جواب: یہ بڑا دلچسپ معاملہ ہوا ہے کہ ڈیڑھ دو سال پہلے اسی حکومت کے اٹارنی جنرل (بمع صوبوں کے اٹارنیز) نے اس کورٹ کے سامنے یہ موقف رکھا تھا کہ آپ سود کے بارے میں جو بھی فیصلہ دیں گے ہم آپ کے دائرہ اختیار کو چیلنج نہیں کریں گے۔ گویا حکومت نے اس عدالت کے دائرہ اختیار کو تسلیم کیا تھا۔ اس وقت تک صرف سٹیٹ بینک آف پاکستان دائرہ اختیار کو چیلنج کر رہا تھا۔ اس کے وکیل سلمان اکرم راجہ نے کہا تھا کہ ہمارا خیال ہے کہ یہ معاملہ قانون کے ساتھ ساتھ آئین سے بھی متعلق ہے اور آئین میں چونکہ انٹرسٹ کا لفظ آیا ہے اگر آپ قانون میں شامل کسی پرووِیژن کو سٹرائیک ڈاؤن کریں گے تو اس کا اثر آئین کے اوپر بھی پڑے گا۔ ہمارے وکلاء نے وضاحت سے کہا کہ ہم اس موقع پر آئین کو چیلنج نہیں کر رہے، نہ ہی آئین کی کسی پرووِیژن کی بات کر رہے ہیں، ہم انہی قوانین کے بارے میں بات کر رہے ہیں جو اس سے پہلے دو مرتبہ زیرِ سماعت آ چکے ہیں اور دونوں مرتبہ فیصلہ دیا جا چکا ہے۔ لیکن 3 فروری کو جو سماعت ہوئی اس میں سلمان اکرم راجہ تو تشریف نہیں لائے البتہ حالیہ اٹارنی جنرل صاحب تشریف لائے ہوئے تھے اور انہوں نے کھڑے ہو کر کہا کہ اگرچہ ہمارے سابقہ اٹارنی نے چیلنج نہیں کیا تھا لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ معاملہ آئین سے متعلق ہے اور آئین کی تشریح کا اختیار آپ کو نہیں ہے، سپریم کورٹ کو ہے۔ اس پر کورٹ نے بھی پوچھا اور ہمارے وکلاء نے بھی کھڑے ہو کر احتجاج کیا کہ پہلے جو موقف تھا وہ کسی شخص یا فرد کا نہیں تھا وہ حکومت کا موقف تھا اور اب حکومت کیسے اس معاملے میں یوٹرن لے سکتی ہے؟ باوجود اس کے کہ تمام پٹیشنرز اور ان کے وکلاء نے احتجاج بھی کیا لیکن عدالت نے بالآخر اٹارنی جنرل کو اپنے دلائل پیش کرنے کی اجازت دے دی۔ عدالت نے کہا کہ ایک مہینے بعد اگلی سماعت ہوگی اور اس کی تاریخ ہم آپ کو بعد میں دیں گے۔ ہماری طرف سے تقاضا کیا گیا کہ آپ آج ہی تاریخ فکس کر دیں لیکن عدالت نے کہا کہ کچھ وجوہات ہیں جن کی وجہ سے ہم تاریخ فکس نہیں کر سکتے بعد میں آپ کو اطلاع دے دی جائے گی۔ لیکن پس پردہ جو باتیں ہوتی ہیں وہ بعد میں سامنے آ ہی جاتی ہیں۔ اصل وجہ شاید یہ تھی کہ اگلے ہی مہینے اس بینچ کے ایک رکن ریٹائر ہو رہے ہیں، بینچ کے چیف بھی مئی یا جون میں ریٹائر ہو رہے ہیں۔ جس کا مطلب ہے کہ یہ بینچ ایک بار پھر ٹوٹ جائے گا۔ گویا تاخیری حربے کو ایک بار پھر استعمال کیا گیا ہے اور ہمارے ساتھ پچھلے 20 سال

سے جو مذاق ہورہا تھا وہ سلسلہ مذاق تاحال جاری ہے۔ حالانکہ یہ وہ کیس ہے جس پر اس سے پہلے دو مرتبہ عدالتوں سے فیصلہ بھی آچکا ہے۔

سوال: قرآن وحدیث اور آئین کے باوجود حکومت میں سود کے خاتمے میں ہچکچاہٹ کیوں ہے؟

جواب: یہ بھی ایک عجیب داستان ہے۔ اگر آپ آئین کا مکمل مطالعہ کریں تو آپ کو محسوس ہوگا کہ یہ آئین ایک مکمل اسلامی آئین ہے۔ اس کی پیشانی پر اللہ کی حاکمیت کا بڑی وضاحت سے بیان ہے اور انسانوں کے لیے اللہ کی طرف سے خلافت کا بھی ذکر ہے۔ قرآن وسنت کی بالادستی کا بھی ذکر ہے۔ شق 2 میں ریاست کا مذہب اسلام قرار دیا گیا ہے۔ پھر جنرل ضیاء الحق کے دور میں 1985ء میں آئین میں 2A کا اضافہ کیا گیا جس میں قرارداد مقاصد کو آئین کا بنیادی حصہ قرار دیا گیا۔ جس کا مطلب ہے کہ جیسے آئین کے دوسرے کلاز اور شقیں effective اور آپریٹیو ہیں اسی طریقے سے قرارداد مقاصد بھی effective اور آپریٹیو ہے۔ قرارداد مقاصد کہتی ہے: ''اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کل کائنات کا بلاشرکت غیرے حاکم مطلق ہے۔ اس نے مملکت پاکستان کو جو اختیار سونپا ہے وہ اس کی مقررہ حدود کے اندر مقدس امانت کے طور پر استعمال کیا جائے گا۔''

2A کے مطابق یہ قرارداد مؤثر بھی ہے اور آپریٹیو بھی ہے اور اسے سپریم کورٹ آف پاکستان کے ایک جج پاکستان کا ''گرونڈ نارم'' (اصل الاصول) بھی قرار دے چکے ہیں۔ یعنی اگر سارے کا سارا آئین معطل بھی ہو جائے تو صرف اس قرارداد کی بنیاد پر فیصلہ دیا جا سکتا ہے۔ 1972ء میں جب ملک میں ایک مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے آئین کو معطل کیا ہوا تھا تو عاصمہ جیلانی کیس میں اسی کے تحت فیصلہ دیا گیا تھا۔

اس کے بعد فنڈامنٹل رائٹس اور پرنسپلز آف پالیسی کی کلازز ہیں ان میں بھی انتہائی خوبصورت باتیں ہیں۔ مثلاً یہ کہ تسلیم شدہ بنیادی انسانی حقوق کے خلاف جتنے قوانین ہیں وہ کالعدم ہو جائیں گے۔ پھر پرنسپل آف پالیسی میں شق 31 کہتی ہے:

''پاکستان کے مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی اسلام کے بنیادی اصولوں اور اساسی تصورات کے مطابق مرتب کرنے کے قابل بنانے اور انہیں ایسی سہولتیں مہیا کرنے کے لئے اقدامات کئے جائیں گے، جن کی مدد سے وہ قرآنِ پاک اور سنت کے مطابق زندگی کا مفہوم سمجھ سکیں''۔

یعنی پورے اسلامی طرز زندگی کو اپنانے کے لیے اقدامات کیے جائیں گے۔ اسی طرح دفعہ 37 کا ٹائٹل ہے: ''معاشرتی انصاف کا فروغ اور معاشرتی برائیوں کا خاتمہ''۔ اور اس کے تحت 9 سب کلازز ہیں جو اس بات کو واضح کر رہی ہیں کہ معاشرتی انصاف کو نافذ اور پروموٹ کیا جائے گا۔ پھر دفعہ 38 کا ٹائٹل ہے: ''عوام کی معاشی اور معاشرتی فلاح و بہبود کا فروغ۔'' اور اس کی سب کلاز F کہتی ہے: ''ریاست جتنا جلدی ممکن ہو سکے سود کو ختم کرے گی''۔

ہماری ایک پٹیشن 2015ء میں فائل ہوئی تھی جس پر سپریم کورٹ نے موقف اختیار کیا تھا کہ 38-F پرنسپلز آف پالیسی کا حصہ ہے اور پرنسپلز آف پالیسی قابل تنفیذ نہیں ہوتیں۔ جبکہ یہ بات بھی سپریم کورٹ کے بعض دیگر کیسز کے حوالے سے ریکارڈ پر ہے کہ اگرچہ پرنسپلز آف پالیسی کو قابل تنفیذ نہیں سمجھا جاتا لیکن اگر قرائن سے ثابت ہو جائے کہ یہ بنیادی انسانی حقوق سے متعلقہ ہے تو اسے نافذ کیا جا سکتا ہے اور بعض کیسز میں ان کے مطابق فیصلے بھی ہوئے ہیں۔

چیپٹر 3A وفاقی شرعی عدالت کے لیے مختص کیا گیا ہے۔ وفاقی شرعی عدالت 1980ء میں قائم کر دی گئی تھی لیکن یہ 1990ء تک مالیاتی قوانین کو نہیں سن سکتی تھی۔ پھر جب 1990ء میں یہ مالیاتی قوانین کو سننے کی اہل ہوئی تو اس نے ایک سوموٹو کیس لیا۔ محمود الرحمن فیصل نامی ایک شخصیت نے ایک پٹیشن فائل کی جس کے نتیجے میں سود کیس کی سماعت شروع ہوئی اور صرف چھ سات مہینے میں سماعت کے بعد وفاقی شرعی عدالت نے فیصلہ دیا کہ یہ 22 قوانین قرآن وسنت کے خلاف ہیں لہٰذا یہ کالعدم ہو جائیں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ معزز عدالت نے ایک ڈیڈ لائن بھی مقرر کی کہ اتنے عرصہ کے اندر اندر حکومت متبادل قوانین لا کر سود کو ختم کرے گی۔ گویا اللہ نے ہم پر عدالت کے ذریعے حجت قائم کر دی تھی لیکن اس فیصلے پر عمل درآمد کی بجائے اس کے خلاف اپیل کی گئی۔ اب پہلا سقم نوٹ کیجیے گا۔ وفاقی شرعی عدالت آئین کے مطابق قائم ہوئی، اس کا ایک دائرہ کار ہے، 203-D اس کے فنکشن کی تشریح کر رہی ہے۔ اس کے باوجود پوزیشن یہ ہے کہ اس کے کسی بھی فیصلے کے خلاف پٹیشن فائل کی جا سکتی ہے اور وہ اتنی سادہ ہے کہ جیسے ہی اس کے فیصلے کے خلاف کوئی پٹیشن داخل کی جائے تو بغیر اس بات کو جانچے پرکھے کہ آیا یہ داخل کیے جانے کے قابل ہے یا نہیں ہے وہ از خود داخل ہو جاتی ہے اور اپیل بن جاتی ہے اور جب یہ اپیل بن جاتی ہے تو اس کے خلاف stay بھی از خود مل جاتا ہے اور آپ کو الگ سے stay بھی رجسٹر نہیں کروانا پڑتا۔ یہ پہلا سقم ہے۔ جب تک یہ سقم دور نہیں ہوگا تو وفاقی شرعی عدالت کی کوئی حیثیت نہیں ہے کیونکہ وفاقی شرعی عدالت کے ذریعے جو بھی قانون قرآن وسنت کے خلاف ڈیکلیئر ہوگا اس کو ختم نہیں کیا جا سکے گا بلکہ عدالت کے فیصلے کو آسانی سے چیلنج کیا جا سکے گا۔ البتہ ہم مان لیتے ہیں کہ کچھ ایسی اپیلیں بھی ہوں گی جو داخل کیے جانے کے قابل ہوں گی اس ضمن میں آپ سپریم کورٹ کے شریعت اپیلٹ بینچ میں جائیں گے۔ عام طور پر فل بینچ تین عدالتی ججز اور دو علماء ججز پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہاں پر عدلیہ سے آئے ہوئے لوگوں کی مدت ملازمت، اہلیت بڑی وضاحت سے درج ہے لیکن علماء ججز کے بارے میں کوئی ایسی وضاحتیں نہیں ہیں۔ آپ جسے چاہیں علماء قرار دے کر انہیں بٹھا دیں، چاہے وہ علماء ہوں یا نہ ہوں۔ چنانچہ 1991ء کے فیصلے کے خلاف جس بینچ نے سماعت کی تھی اس میں دو علماء ججز بھی تھے۔ ایک جسٹس محمود احمد غازی اور دوسرے جسٹس تقی عثمانی صاحب۔ اس پانچ رکنی بینچ نے 1999ء میں بڑا واضح فیصلہ دے دیا کہ فیڈرل شریعت کورٹ کا فیصلہ من جملہ درست ہے۔ اب چاہیے تو یہ تھا کہ اس کے بعد عدالت کا فیصلہ نافذ ہوتا۔ اس کے لیے بینچ نے 2001ء کی ڈیڈ لائن مقرر کی لیکن پھر ہم پر ایک بہت بڑا سانحہ گزرا کہ اس بینچ کو بھی توڑ دیا گیا۔ کچھ ججز کو تو پی سی او پر حلف اٹھانے کا کہا گیا انہوں نے حلف نہیں اُٹھایا وہ ریٹائر ہو گئے اور ایک وہ تھے جن کو کیبنٹ میں لے لیا یعنی جسٹس محمود احمد غازی۔ چنانچہ وہ بھی اس عدالت کا حصہ نہ رہے اور جسٹس تقی عثمانی کو ایک نوٹیفکیشن کے ذریعے سے سماعت سے چند دن پہلے ڈی نوٹیفائی کر دیا گیا کہ اب آپ اس بینچ کا حصہ ہی نہیں ہیں۔ یہ سلوک یہاں علماء ججز کے ساتھ ہوتا ہے کہ اگر ان میں سے کسی پر شبہ ہو جائے کہ وہ سود کے معاملے میں اصولی فیصلہ دے گا تو اسے جب چاہا کورٹ سے نکال دیا۔ یہ دوسرا سقم ہے۔

قارئین پروگرام ''زمانہ گواہ ہے'' کی ویڈیو تنظیم اسلامی کی ویب سائیٹ www.tanzeem.org پر دیکھی جا سکتی ہے۔

اسلام کا معاشی اور اقتصادی نظام (iv)

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ

(گزشتہ سے پیوستہ)

اسلام کا روحانی نظامِ معیشت ’اعلیٰ قسم کی روحانی اشتراکیت

اسلام کے روحانی اور اخلاقی نظامِ معیشت کے ان اصولوں کو جمع کر کے میں پورے انشراحِ صدر سے کہوں گا کہ اسلام کا اخلاقی نظامِ معیشت نہایت اعلیٰ اور خالص ترین روحانی اشتراکیت (Highest and purest form of spiritual socialism) ہے۔ یہ ایک ایسا کامل سوشلزم ہے کہ اس سے بلند تر سوشلزم کا تصور ممکن ہی نہیں۔ اس لیے کہ سوشلزم میں تو انسانی ملکیت کے اثبات موجود ہیں‘ اگرچہ انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی‘ لیکن اسلام اپنی اخلاقی و روحانی اور صحیح تر الفاظ میں ایمانی تعلیم کی رو سے انسانی ملکیت کی کلی نفی کرتا ہے --- یعنی نہ انفرادی ملکیت نہ قومی ملکیت‘ بس ہر چیز اللہ کی ملکیت ---- معلوم ہوا کہ یہ اعلیٰ قسم کی روحانی اشتراکیت ہے۔ یہ روحانی (spiritual) اس لیے ہے کہ اس میں جبر نہیں ہے‘ یعنی اس اخلاقی نظام کی ساری خوبی اور اس کا کل حسن اس کے ’’رضا کارانہ‘‘ (voluntary) ہونے میں مضمر ہے۔ اور اگر ’’قُلِ الْعَفْوَ‘‘ کے فلسفے کو ادنیٰ درجہ میں بھی بالجبر نافذ کرنے کی کوشش کی گئی تو روح والی بات ختم ہو جائے گی۔ یہ صرف اور صرف انسان کے اپنے اختیار اور اپنی مرضی پر منحصر ہے۔ جیسے جیسے ایمان میں ترقی ہو‘ جیسے جیسے یقین بڑھے‘ جیسے جیسے اللہ سے محبت میں اضافہ ہو‘ جیسے جیسے آخرت ہی انسان کا مطلوب بنتی چلی جائے اور ’’اَللّٰھُمَّ لَا عَیْشَ اِلاَّ عَیْشَ الْاٰخِرَۃ‘‘ پر یقین بڑھتا جائے اور اس حقیقت کا شعور انسان کے قلب و ذہن میں راسخ ہوتا جائے‘ اتنا ہی وہ اس کے اوپر عمل پیرا ہو جائے۔ اس کے لیے آپ کو کوئی قانون مجبور نہیں کرے گا‘ کوئی خارجی دباؤ اثر انداز نہیں ہوگا۔ اگر کہیں بھی کسی بھی درجے میں خارجی جبر آ گیا تو اس کی ساری خوبصورتی ختم ہوگئی۔ یہ وہ آبگینہ ہے جو ذرا سی ٹھیس لگنے سے چکنا چور ہو جائے گا۔

اسلام کا قانونی اور فقہی نظامِ معیشت

اس کے بالکل برعکس اسلام کا ایک قانونی اور فقہی نظامِ معیشت ہے۔ اس میں مجازاً انسانی ملکیت کا اثبات ہے۔ یہ گھر آپ کا ہے‘ یہ سامان آپ کا ہے‘ یہ کھیت آپ کا ہے‘ یہ زمین آپ کی ہے‘ یہ دکان آپ کی ہے‘ یہ مال آپ کا ہے یعنی ملکیت تو ہے لیکن مجازاً --- اس معنی میں کہ آپ اس کو خود استعمال کریں گے‘ دوسرا استعمال نہیں کر سکے گا۔ جب دوسرے کو اس کے استعمال سے روک دیا گیا تو یہ ایک طرح کی ملکیت بن گئی۔ مزید برآں یہ وراثتاً بھی منتقل ہو جائے گا‘ چنانچہ بات ملکیت کے بہت حد تک قریب آ گئی‘ لیکن ذہن میں ہمیشہ یہ رہنا چاہیے کہ میں اس کا مالک نہیں‘ امین ہوں۔ اسلام میں قانونی سطح پر ملکیت کا اثبات موجود ہے اور نبی اکرم ﷺ نے جو نظام برپا کیا تھا اس میں کہیں جبر نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس آزاد معیشت کے مواقع دیے گئے کہ تم حلال و حرام کی حدود کا خیال رکھتے ہوئے اپنی محنت سے جو کماؤ گے وہ تمہارا ہوگا‘ اس میں تمہارا حق تصرف تسلیم کیا جائے گا اور اسے وراثتاً منتقل بھی کیا جائے گا۔ اس طرح اس میں سرمایہ دارانہ نظام کے تینوں بنیادی اصول (cardinal principles) آ گئے:

(نجی ملکیت)	(1) private ownership
(ذاتی مفاد)	(ii) personal incentive
(آزاد معاشی جدوجہد)	(iii) free enterprise

اسلام کے فقہی نظام میں یہ تینوں چیزیں بتمام و کمال موجود ہیں جن کی بنیاد پر آج مغربیت فتح مند ہے۔ البتہ اسلام نے اس قانونی نظام کو بھی ایک حد کے اندر رکھا ہے تاکہ یہ سرمایہ داری کی لعنت کی صورت اختیار کر کے انسانی معاشرے پر مسلط نہ ہونے پائے۔

اس ضمن میں اسلام نے چند عملی تدابیر اختیار کی ہیں اور کچھ قدغنیں بھی لگائی ہیں۔ اوّلین قدغن تو یہ ہے کہ حرام ذرائع سے نہیں کماؤ گے‘ حلال سے کماؤ گے۔ دوسرے یہ کہ اگر کچھ مال تمہارے پاس جمع ہو گیا تو اس میں سے ایک حد کے بعد کچھ معین حصہ لیا جائے گا اور ان کو دیا جائے گا جو لوگ معاشی میدان میں پیچھے رہ گئے ہیں۔ یہاں یہ بات نوٹ کر لیں کہ آزاد معاشی جدوجہد کا معاملہ جہاں بھی ہوگا‘ چاہے کتنی ہی تھوڑی آزادی ہو‘ اس میں یقیناً کچھ لوگ آگے نکلیں گے اور کچھ لوگ پیچھے رہ جائیں گے‘ کچھ اونچ نیچ لازماً پیدا ہوگی۔ میں اس کی مثال دیا کرتا ہوں کہ اگر آپ نے لوگوں کو دوڑانا بھی ہے اور یہ بھی چاہتے ہیں کہ نہ کوئی آگے نکلے اور نہ کوئی پیچھے رہ جائے تو اس کے لیے آپ سب کو ایک رسی سے باندھ دیجیے۔ اگر آپ رسی نہیں باندھیں گے تو پھر کوئی نہ کوئی آگے جائے گا اور کوئی نہ کوئی پیچھے رہ جائے گا۔ جہاں کسی نہ کسی درجے میں آزادی ہوگی وہاں معاشی جدوجہد کی دوڑ میں فرق و تفاوت سے بچنا ممکن نہیں۔ اس دوڑ میں لوگوں کے درمیان فرق بہرصورت آئے گا اور کچھ لوگ آگے نکل جائیں‘ کچھ لوگ پیچھے رہ جائیں گے۔ اسلام کے قانونی اور فقہی نظامِ معیشت میں اس بات کا بھی اہتمام کیا گیا ہے کہ معاشرے میں پیدا ہونے والے مالی فرق و تفاوت کو کسی حد تک کم کیا جائے۔ اس کے لیے اسلام نے زکوٰۃ کا نظام قائم کیا ہے۔ اسلام کا قانونی اور فقہی نظامِ معیشت ایک نوع کی محدود اور منضبط سرمایہ داری (managed and controlled capitalism) ہے‘ جیسے میں نے اس روحانی نظام کے بارے میں کہا تھا کہ وہ نہایت اعلیٰ اور خالص ترین روحانی اشتراکیت ہے۔

اسلام کے روحانی اور قانونی نظامِ معیشت میں ظاہری تفاوت

اسلام کے نظامِ معیشت میں ایک طرف روحانی اعتبار سے اشتراکیت موجود ہے اور دوسری طرف قانونی اعتبار سے سرمایہ داری۔ اس اعتبار سے ہمارے ہاں بڑا کنفیوژن پایا جاتا ہے کہ یہ دونوں تعلیمات اسلام میں

بیک وقت موجود ہیں۔ ایک طرف ''قُلِ الْعَفْوَ'' کا فلسفہ ہے کہ جتنا ضرورت سے زائد ہے اسے اللہ کی راہ میں دے ڈالو اور دوسری طرف قانونِ وراثت بھی اسی قرآن میں موجود ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کچھ رکھنا ہی نہیں ہے تو وراثت کس شے کی ہوگی؟ تو یہ ایک طرح کا ظاہری تضاد (contradiction) ہے ---- ایک طرف سورۃ التوبہ کی آیت ہے:

''جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور انہیں اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو انہیں دردناک عذاب کی بشارت دے دیجیے۔ اس دن ان کے کنز (سونا) کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا' پھر اس سے ان کی پیشانیاں' ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی (اور کہا جائے گا) یہ ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا' تو جو کچھ تم جمع کرتے رہے (آج) اس کا مزا چکھو۔'' (آیت:35)

اب سونا تو سونا ہے چاہے کسی نے ایک تولہ ہی گھر کے اندر رکھا ہوا ہے۔ جبکہ دوسری طرف نصابِ زکوٰۃ معین کیا گیا ہے کہ ساڑھے سات تولے سونے کی زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم ہے اور سورۃ النساء کا ایک پورا رکوع قانونِ وراثت سے متعلق ہے۔ اس اعتبار سے اسلامی تعلیمات میں بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے۔ اس ظاہری تضاد کی بنیاد پر سوشلسٹ ذہن رکھنے والے حضرات اسلام کے نظامِ معیشت کو کامل سوشلزم سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کے دوسرے پہلو کو بالکل نظرانداز کر دیتے ہیں۔ اسی طرح بعض لوگ اسے کامل سرمایہ دارانہ نظام قرار دیتے ہیں اور اس میں موجود روحانی اشتراکیت کی سرے سے نفی کر دیتے ہیں۔

اس ظاہری تضاد کی بنا پر پورے خلوص کے ساتھ محض غلط فہمی کی بنیاد پر بھی مغالطہ لاحق ہو سکتا ہے' جس کی سب سے بڑی مثال حضرت ابوذر غفاری ؓ کی ہے۔ اتنے متقی' اتنے مخلص اور اتنے زاہد انسان کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا:

''تم میں سے جو چاہے کہ حضرت عیسیٰؑ کا زہد اپنی آنکھوں سے دیکھے تو اسے چاہیے کہ میرے ساتھی ابوذرؓ کو دیکھ لے۔''

ان کو بھی اس ظاہری تضاد کی بنا پر ایک مغالطہ ہو گیا۔ ان کے مزاج میں غلبۂ زہد و ورع' دُنیا سے کنارہ کشی اور لذاتِ دُنیاوی سے بالکل لاتعلقی اس شدت کے ساتھ تھی کہ انہوں نے آیتِ کنز کو بالکل اس کے ظاہری الفاظ پر محمول کرتے ہوئے یہ رائے قائم کر لی کہ سرے سے اپنے پاس پیسہ رکھنا حرام ہے اور کسی بھی مقدار میں سونا چاندی اپنے پاس رکھنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے' اس لیے کہ اس پر عذابِ الیم کی وعید ہے۔ یہ معاملہ اتنا بلند ہوا کہ ایک شورش کی شکل بن گئی' ایک ہنگامہ سا برپا ہو گیا۔ دُنیا کا نظام چونکہ قانون پر چلتا ہے نہ کہ روحانیت پر' لہٰذا خلافت راشدہ کا جو اجتماعی فیصلہ تھا وہ بالکل صحیح تھا کہ اس آیت کا یہ مفہوم نہیں ہے' یہ آپ غلط تعبیر کر رہے ہیں' لیکن وہ اپنی رائے پر بضد رہے تو ان کی رائے کو انتہا پسندانہ موقف قرار دیا گیا اور حضرت عثمان ؓ کے دورِ خلافت میں انہیں مدینہ سے باہر چلے جانے کی ہدایت بھی کی گئی یا وہ خود چلے گئے۔ لہٰذا انہوں نے ایک بیابان میں جھونپڑی ڈالی اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔

آیات کی غلط تعبیر کی ایک اور مثال ملاحظہ کیجیے۔ یہ معاملہ بھی عین دورِ صحابہؓ میں شروع ہو چکا تھا۔ حضرت ابوبکر ؓ نے ایک خطبہ دیا: لوگو میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ایک آیت پڑھتے ہو اور اس کے غلط معانی نکال رہے ہو۔ سورۃ المائدۃ کی آیت مبارکہ: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ ۚ لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اھْتَدَیْتُمْ ۭ﴾ (آیت:105) ''اے ایمان والو! تم پر صرف اپنی ہی ذمہ داری ہے' جو کوئی گمراہ ہو جائے وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اگر تم ہدایت پر ہو''، تم اس کے یہ معانی نکال رہے ہو کہ دعوت و تبلیغ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ذمہ داری تم پر نہیں ہے۔ اس آیت کا یہ مفہوم نہیں ہے' یہ غلط تعبیر ہے۔ اسی طرح آیت کنز کے معاملہ میں حضرت ابوذر غفاری ؓ کو مغالطہ ہوا اور اسلام کے روحانی اور قانونی نظام کے اندر جو فرق و تمیز کرنی چاہیے تھی' وہ اپنی ایک خاص زاہدانہ کیفیت میں اس تمیز کو برقرار نہ رکھ سکے۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ انہوں نے کسی بدنیتی سے یہ رائے قائم کر لی تھی۔ اس لیے میں کہہ رہا ہوں کہ اس معاملے میں مغالطہ خالص نیک نیتی کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔ اگر ابوذر ؓ کو ہو گیا تو تا بہ دیگراں چہ رسد!

حضرت ابوذر ؓ کے معاملے کو اس دَور میں کچھ لوگوں نے کمیونزم اور سوشلزم کی دلیل بنانے کے لیے بڑی بدنیتی کے ساتھ بھی استعمال کیا ہے۔ انہیں قرآن کی یہ آیتیں تو نظر آ گئیں کہ اسلام انسانی ملکیت کی کلی نفی کرتا ہے اور قُلِ الْعَفْوَ کے الفاظ میں ضرورت سے زائد کو اپنے پاس رکھنے سے منع کرتا ہے' لیکن دوسری طرف انہیں آیتِ میراث نظر نہیں آتی؟ زکوٰۃ کا نظام نظر نہیں آتا؟ اگر کسی کے پاس کوئی شے ہے ہی نہیں تو زکوٰۃ کا پورا نظام کیا ہے؟ چلیے مان لیتے ہیں کہ زکوٰۃ قرآن مجید میں نصاب اور مقداروں کے ساتھ نہیں ہے اور جہاں زکوٰۃ کا لفظ ہے وہاں زکوٰۃ کے معنی وہی لیے جا سکتے ہیں جو میں نے پہلے بیان کیے ہیں کہ مسلسل نجاست کو دھوتے رہنا اور اس کا کوئی ذرہ اپنے قریب آنے نہ دینا' لیکن احادیث نبوی میں کیا کریں گے؟ احادیث میں تو پورا نظام ہے مقادیر زکوٰۃ کا۔ معلوم ہوا کہ یہ مغالطہ نیک نیتی سے بھی ہو سکتا ہے اور بدنیتی سے بھی' اور یہ اس دور میں ہو رہا ہے۔ (جاری ہے)

ضرورت رشتہ

☆ لاہور میں رہائش پذیر رفیق تنظیم اسلامی کو اپنی بیٹی، عمر 25 سال، تعلیم لیب ٹیکنالوجی (K.E)، قد 5'.1" کے لیے دینی مزاج کے حامل، تعلیم یافتہ، برسرروزگار لڑکے کا رشتہ چاہیے۔ لاہور کے رہائشی قابلِ ترجیح۔

برائے رابطہ: 0300-6808278

☆ آرائیں فیملی کے رفیق تنظیم کو اپنی بیٹی، عمر 27 سال، قد 5 فٹ 5 انچ، تعلیم ایم ایس سی فزکس، فہم قرآن اور رجوع الی القرآن کورس، ڈیزائننگ، صوم وصلوٰۃ اور پردہ کی پابند کے لیے ہم پلہ، تعلیم یافتہ، برسرروزگار اور دینی مزاج کے حامل لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 0334-8683126
0335-9491573

دعائے مغفرت

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْن

☆ حلقہ خیبر پختونخوا جنوبی، مردان کے معتمد محترم سراج اللہ کی دادی وفات پا گئیں۔

برائے تعزیت: 0333-9945031

اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے اور پس ماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق دے۔ قارئین سے بھی ان کے لیے دُعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَھَا وَارْحَمْھَا وَاَدْخِلْھَا
فِیْ رَحْمَتِکَ وَحَاسِبْھَا حِسَابًا یَّسِیْرًا

حضرت اروی رضی اللہ عنہا بنت عبدالمطلب

فرید اللہ مروت

اروی رضی اللہ عنہا بنت عبدالمطلب رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی تھیں۔روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کی دو پھوپھیاں نعمتِ اسلام سے متمتع ہوئیں۔ ایک صفیہ اور دوسری اروی رضی اللہ عنہا۔حضرت اروی رضی اللہ عنہا نے مکہ سے مدینہ کی ہجرت کی سعادت بھی حاصل کی۔

حضرت اروی رضی اللہ عنہا کا نکاح عمیر بن وہب (بن عبد بن قصیّ) سے ہوا۔ان کی صلب سے طلیب رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔حضور ﷺ نے جب دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو جن پاک نفوس نے اس دعوت کے قبول کرنے میں اوّلیت کا شرف حاصل کیا،حضرت طلیب رضی اللہ عنہ بھی ان میں شامل تھے۔حضرت ارویؓ اور حضرت طلیبؓ قبول اسلام سے پہلے بھی سرورِ دوعالم ﷺ کے مددگار وخیر اندیش تھے۔

اسلام سے قبل حضرت اروی بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی بہت بڑی معاون تھیں،آنحضرتؐ کی تکلیف سے انہیں سخت تکلیف ہوتی اور جو لوگ آپؐ کے درپے آزار رہتے،ان سے پوری مزاحمت کرتیں۔ان کے قبول اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ ان کے بیٹے طلیب بن عمیر دارارقم بن ابوارقم مخزومی میں مسلمان ہوئے اور قبول اسلام کے فوراً بعد والدہ محترمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: امی میں نے حضرت محمد ﷺ کی اتباع اختیار کر لی ہے اور آپؐ کی صداقت کو تسلیم کر کے مسلمان ہو گیا ہوں۔

حق پرست ماں نے جواب دیا:

بیٹا!تم نے عمر بھر میں جو بہتر اور حقیقت پسندانہ کام کیا ہے وہ یہ ہے کہ اپنے ماموں زاد(یعنی آنحضرت) کے معاون ہو گئے ہو اور آپؐ کے دستِ مبارک پر ایمان لے آئے ہو اور اسلام کی دولت بے پایاں سے مالا مال ہو گئے ہو۔اگر ہم بھی مردوں کی سی قوت وطاقت کے مالک ہوتے اور وہ اقدام کر سکتے جو مرد کر سکتے ہیں تو ضرور محمدؐ کی اتباع پر کمر بستہ ہو جاتے اور آپؐ کا پورا دفاع کرتے۔

سعادت مند بیٹے نے نہایت ادب سے عرض کیا:

امی! آپ کو قبول اسلام اور اتباع محمد ﷺ سے کس نے روکا ہے اور کون سا مانع پیش آ گیا ہے جس کی وجہ سے آپ مسلمان ہونے سے ہچکچاہٹ محسوس کرتی ہیں، آپ کو معلوم ہے آپ کے برادر مکرم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی مسلمان ہو گئے ہیں اور حضرت محمد ﷺ کی اتباع کا اقرار کر چکے ہیں۔ارویؓ نے نہایت متانت سے جواب دیا:

اچھا بیٹا یوں کرو کہ اپنی دیگر خالاؤں کا پتا کرو، حضرت محمد ﷺ کے بارے میں جو ان کا رویہ ہے، وہی میں اختیار کر لوں گی، میرا وہی نقطۂ نظر ہو گا جو عبدالمطلب کی دوسری بیٹیوں کا ہو گا۔

بیٹے نے عجز و نیازمندی کے انداز میں عرض کیا:

امی! میں آپ سے اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ آپ محمد ﷺ کے پاس تشریف لے جائیں، انہیں سلام کریں، ان کی تصدیق کریں، ان کے پیغام کو صحیح قرار دیں اور زبان سے یہ الفاظ ادا کریں۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

مخلص و نیازمند بیٹے کے یہ الفاظ پاک طینت ماں کے دل میں اتر گئے۔اب وہ اپنے بھتیجے محمد رسول اللہ ﷺ کی بہت بڑی مددگار تھیں۔ زبان سے آپؐ کی دعوت اور پیغام کی صحت کا اقرار کرتیں اور اپنے بیٹے طلیب رضی اللہ عنہ کو آپؐ کی امداد پر آمادہ کرتیں اور آپؐ کے لائحہ عمل پر کامل طور سے کاربند رہنے کی تلقین فرماتیں۔

ایک روز رسول اللہ ﷺ کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ ابوجہل اور کفار کے ایک گروہ سے آمنا سامنا ہو گیا۔ انہوں نے آنحضرتؐ کو دیکھا تو سخت غضب ناک ہوئے اور آپؐ کو اذیت پہنچائی۔ اتنے میں طلیبؓ بن عمیر کا بھی ادھر سے گزر ہوا۔طلیبؓ، ابوجہل کی اس گستاخانہ حرکت کو دیکھ کر تڑپ اٹھے اور ابوجہل کو پکڑ کر خوب زدوکوب کیا،لیکن چونکہ یہ اکیلے تھے اور مخالفین خاصی بڑی تعداد میں تھے، اس لیے وہ ان پر غالب آ گئے اور انہیں پکڑ کر رسیوں سے باندھ دیا۔تھوڑی دیر کے بعد وہاں ابولہب آ گیا،اس نے طلیب رضی اللہ عنہ کو نجات دلائی۔

رسول اللہ ﷺ کے بارے میں حضرت اروی رضی اللہ عنہا بنت عبدالمطلب کے جذبات نہایت نازک تھے، وہ ہر آن آپؐ کی مدد میں رہتی تھیں اور کسی لمحے بھی آپؐ کو نہ بھولتی تھیں۔جب ابوجہل اور اس کے ساتھیوں نے حضرت اروی رضی اللہ عنہا کے بیٹے طلیب رضی اللہ عنہ کو پکڑ کر رسیوں سے باندھ دیا تو کچھ لوگ حضرت ارویؓ کے پاس آئے اور کہا:

کیا آپؓ کو معلوم ہے کہ آپؓ کا بیٹا طلیب حضرت محمد ﷺ کا پشت پناہ بنا ہوا ہے اور ان کی امداد کے لیے اس نے جان کی بازی لگا رکھی ہے؟

فرمایا: مجھے معلوم ہے، میرا بیٹا یہ خدمت سرانجام دے رہا ہے۔ میرے نزدیک طلیب رضی اللہ عنہ کی زندگی کے بہترین دن وہی ہیں جو اس کے ماموں زاد یعنی حضرت محمد ﷺ کی حمایت میں گزریں گے۔حضرت محمد ﷺ اللہ کی طرف سے حق وصداقت کا پیغام لے کر آئے ہیں، ان کی امداد اور ان کا دفاع ہمارا بنیادی فرض ہے۔

یہ سن کر لوگوں نے سوال کیا:

کیا آپؓ نے محمد ﷺ کی اتباع اختیار کر لی ہے؟

کہا،ہاں مجھے ان کے حلقہ تبعین میں شامل ہونے کی سعادت حاصل ہے۔

کسی نے یہی بات جا کر ابولہب سے کہہ دی۔

ابولہب اسی وقت حضرت اروی رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور کہا بڑے تعجب کی بات ہے تم نے حضرت محمد (ﷺ) کی اتباع اختیار کر لی ہے اور اپنے باپ عبدالمطلب کے دین کو ترک کر دیا ہے، حالانکہ میرے نزدیک تم ایک عقل مند خاتون ہو۔

حضرت اروی رضی اللہ عنہا نے نہایت جرأت سے جواب دیا:

یہ تیرے بھتیجے کے غلبے، اس کی امداد واعانت اور مدافعت کا سوال ہے۔ اگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے تو تمہیں اختیار ہے چاہے ان کے دین میں داخل ہو جاؤ اور چاہے اپنے مذہب پر قائم رہو،لیکن ایک بات یاد رکھو اگر انہیں کسی طرف سے تکلیف پہنچائی گئی تو تم اپنے بھتیجے کے بارے میں قابل ملامت قرار پاؤ گے۔

ابولہب نے کہا: ہمیں عرب میں فیصلہ کن اور قطعی قوت حاصل ہے، لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ یہ ایک نیا دین لے کر آئے ہیں۔ یہ کہا اور چلا گیا۔

خاندان عبدالمطلب کی خصوصیت یہ ہے کہ فصاحت وبلاغت اور آداب وشاعری میں ان کا مقام بڑا بلند تھا۔ اس خاندان کا ہر فرد اس خاصیت میں امتیازی حیثیت رکھتا تھا۔ اس میدان میں مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کو اعلیٰ مقام حاصل تھا۔ کسی محفل یا قافلے میں اگر ان کا کوئی فرد شامل ہوتا تو زبان سے پہچان لیا جاتا کہ یہ بنوہاشم سے تعلق رکھتا ہے۔ جہاں یہ حضرات اخلاق وکردار میں ممتاز تھے وہاں فصاحت وبلاغت میں بھی بہت سی خصوصیات کے حامل تھے۔ زبان کی باریکیوں اور فن کی نزاکتوں سے پوری طرح آگاہ تھے۔

حضرت اروی ؓ بھی اچھی شاعرہ اور مرثیہ گو تھیں۔ ان کے بیٹے حضرت طلیب ؓ نے رسول اللہ ﷺ کی جو امداد کی اس کے بارے میں حضرت اروی ؓ نے کچھ شعر بھی کہے۔

ان طليبا نصر ابن خاله
واساه في دمه وماله

”یعنی طلیب نے اپنے ماموں کے بیٹے کی مدد کی اور اس کے خون اور مال کی غم خواری کی“

اپنے باپ عبدالمطلبؓ کی وفات پر بھی حضرت اروی ؓ نے ایک طویل مرثیہ کہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے وصال پر بھی آپؓ نے مرثیہ کہہ کر اپنے غم واندوہ کا اظہار کیا۔ حضرت ارویٰؓ بنت عبدالمطلب ایک باعظمت خاتون تھیں اور فصاحت وبلاغت اور ادب وشعر میں اونچے درجے پر فائز تھیں۔ حضرت اروی ؓ کی وفات خلافت عمر بن خطاب ؓ میں 15 ہجری میں ہوئی۔

❀❀❀

دعائے صحت کی اپیل

☆ مرکزی شعبہ تعلیم وتربیت کے حافظ شفیق احمد کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کو شفائے کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرمائے۔ قارئین اور رفقاء واحباب سے بھی ان کے لیے دعائے صحت کی اپیل کی جاتی ہے۔

اَللّٰھُمَّ اَذْھِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَاشِفَاءَ اِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَّا یُغَادِرُ سَقَمًا

امیر تنظیم اسلامی کی چیدہ چیدہ مصروفیات

(25 فروری تا 03 مارچ 2021ء)

جمعرات (25 فروری 2021ء) کو مرکزی اُسرہ کے اجلاس میں آن لائن شرکت کی۔

جمعہ (26 فروری 2021ء) کو جامع مسجد شادمان کراچی میں اجتماع جمعہ سے خطاب کیا اور معمول کی دیگر مصروفیات رہیں۔

ہفتہ (27 فروری 2021ء) کو نائب ناظم اعلیٰ جنوبی پاکستان اور امیر حلقہ کراچی وسطی کے ہمراہ سینئر وبزرگ رفیق نصیر احمد فاروقی سے ان کی قیام گاہ پر عیادت کی۔ بعد نماز مغرب قرآن مرکز سالکن بسیرا میں حلقہ وسطی کے ذمہ داران سے ملاقات کی۔ حلقہ کے تعارف کے ساتھ ساتھ رفقاء سے سوال وجواب کا سیشن ہوا۔ بعد ازاں رفقاء سے آپس میں ذاتی تعلق اور ”تعلق مع اللہ“ کے حوالے سے خطاب کیا۔ نئے مبتدی وملتزم رفقاء سے بیعت مسنونہ کا اہتمام کیا گیا۔ مقامی تنظیم کی جانب سے عشائیہ پر اجتماع کا اختتام ہوا۔

اتوار (28 فروری 2021ء) کو گلستان جوہر A کے مقامی امیر دانش ولی خان کی رہائش گاہ پر موصوف اور مقامی تنظیم شاہ فیصل کے امیر عزیز ظفر صدیقی سے ناشتہ پر ملاقات میں تفصیلی تعارف ہوا۔ صبح 10:00 بجے جامعہ ستاریہ میں مولانا محمد سلفی، شیخ الحدیث انس مدنی اور ان کے رفقاء کرعلماء سے مدرسہ کے نظام تعلیم اور مختلف امور پر گفتگو رہی۔ دونوں حضرات نے بانی محترمؒ کے کام کو بہت سراہا اور امیر محترم کے لیے دعاؤں اور نیک تمناؤں کا اظہار کیا اور تنظیم کے وفد کے شرکاء کو کتاب کا تحفہ پیش کیا۔ امیر محترم نے بھی تنظیم کا کیلنڈر اور بانی محترمؒ کی کتب تحفتاً پیش کیں۔ 11:00 تا 01:00 بجے The Vanue Banquet Hall راشد منہاس روڈ پر ”دین اسلام کے تقاضے اور تنظیم کا لائحہ عمل“ پر مفصل خطاب کیا۔ بعد ازاں حلقہ کے ناظم بیت المال خالد محمود کی رہائش گاہ پر اپنی فیملی کے ہمراہ ظہرانے میں شرکت کی، جس میں حلقہ کی شوریٰ کے ارکان بھی شامل تھے۔ بعد نماز عصر قرآن مرکز، سالکین بسیرا میں نمایاں شخصیات سے ملاقات کی اور ”قرآن حکیم اور ہماری ذمہ داریاں موجودہ حالات کے تناظر میں“ کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ بعد ازاں سوال وجواب کی نشست ہوئی۔ کوئٹہ کے حبیب، بلال جوگزئی نے بیعت کی سعادت حاصل کی۔ اس کے بعد ایک حبیب سے انفرادی ملاقات ہوئی۔ نماز عشاء کے تقریباً ایک گھنٹہ بعد اس نشست کا اختتام ہوا۔

پیر (یکم مارچ 2021ء) کو نائب ناظم اعلیٰ، امیر حلقہ کراچی وسطی، مقامی تنظیم گلزار ہجری کے امیر اور ناظم تربیت کے ہمراہ ادارہ معارف القرآن (جامعہ مسجد آمنہ) کا دورہ کیا۔ ادارہ کے مہتمم مولانا عبدالوحید نے پرتپاک استقبال کیا اور اپنے ساتھیوں کا تعارف کروایا۔ ان سے تفصیلی گفتگو ہوئی۔ ادارہ کی جانب سے ناشتے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ بعد ازاں حفظ کے طلبہ سے ملاقات کی۔

تنظیم اسلامی کے وفد کے ہمراہ جامعہ بنوری ٹاؤن کے دورہ کے موقع پر مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر کے صاحبزادے مولانا ڈاکٹر سعید خان اسکندر سے ملاقات کی۔ اس موقع پر مفتی نظام الدینؒ شہید کے صاحبزادے مولانا سلیم الدین بھی تشریف فرما تھے۔ ان جلیل القدر علماء نے امیر محترم کو خوش آمدید کہا اور بانی محترمؒ کے لیے نیک جذبات کا اظہار فرمایا۔ انہوں نے فرمایا کہ وہ سب سے زیادہ ڈاکٹر صاحبؒ کے دروس وتقاریر سنتے ہیں۔ یہ ملاقات نہایت خوشگوار ماحول میں جاری رہی۔ بعد نماز مغرب قرآن اکیڈمی یٰسین آباد میں مبتدی وملتزم تربیتی کورسز میں ”فریضہ دعوت اور تنظیم کے نظام دعوت“ کے موضوع پر گفتگو کی۔ بعد ازاں بیعت مسنونہ کا اہتمام ہوا۔ بعد نماز عشاء حلقہ کراچی وسطی کے مرکز میں میڈیا سے منسلک چند افراد سے ملاقات کی، جنہوں نے تنظیم کی دعوت کے کام کو آگے بڑھانے کے لیے اپنی تجاویز سے آگاہ کیا۔ امیر محترم نے ان کے سامنے میڈیا کے استعمال کے حوالہ سے تنظیم کا موقف بھی پیش کیا۔ رات 11:30 بجے عشائیہ پر اس نشست کا اختتام ہوا۔

منگل (2 مارچ 2021ء) کو سقوط خلافت اور حرمت سود مہم کے حوالے سے 5,5 منٹس کی ریکارڈنگ کروائی۔

بدھ (03 مارچ 2021ء) کو شعبہ تربیت کے ناظم وخصوصی معاون سے ڈیڑھ گھنٹہ آن لائن اجلاس ہوا، جس میں نائب امیر بھی موجود تھے۔

طبلِ جنگ

اوریا مقبول جان

سودی معیشت سے تخلیق کردہ مصنوعی کاغذی دولت سے تعمیر کردہ جدید عالمی جمہوری سیاسی نظام اپنے ظلم اور قتل و غارت کو درست، جائز اور انسانیت کے لیے ضروری ثابت کرنے کے لیے اسی سودی معیشت پر پلنے والے ’’بھونپو‘‘ (Megaphone,Amplifier) یعنی ’’میڈیا‘‘ کا سہارا لیتا ہے۔ آپ گزشتہ ایک سو سال کی تاریخ نکال کر دیکھ لیں آپ کو ہر بڑی جنگ، ہر بڑے قتل عام یا ہر بڑی سرکاری دہشت گردی سے کچھ عرصہ پہلے میڈیا پر ایک پراپیگنڈہ مہم ضرور نظر آئے گی، جس کے ذریعے ثابت کیا جا رہا ہوگا کہ اگر فلاں جگہ فوجی ایکشن نہ کیا گیا، فلاں ملک کی حکومت کو نہ بدلا گیا، فلاں گروہ کو دہشت گردی سے نہ روکا گیا تو پوری انسانیت خطرے میں پڑ جائے گی۔ پہلے ہدف طے کر لیا جاتا ہے اور پھر روزانہ نئی نئی خبریں برآمد ہوتی ہیں، ڈاکومنٹریاں بنتی ہیں، ریسرچ پیپر لکھے جاتے ہیں، بڑے بڑے تھنک ٹینک رپورٹیں مرتب کرتے ہیں اور دنیا کو قائل کیا جاتا ہے کہ ابھی جس جنگ اور قتل و غارت میں ہم کودنے جا رہے ہیں، یہ بلا جواز نہیں بلکہ دنیا میں موجود چند ہزار یا چند لاکھ لوگ جو معاشرے کا ناسور ہیں ان کا قتل، عالمی امن کو بچانے کے لیے بہت ضروری ہو گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کبھی کسی بڑے عالمی سطح کے اخبارات میں ایک چھوٹی سی خبر کو ایسے بڑھا چڑھا کر پیش کیا جانے لگے، جیسے دنیا پر بسنے والے سات ارب انسانوں کا سب سے اہم مسئلہ ہی یہی ہے، تو چشم تصور میں آنے والے ظلم کے مناظر گھومنے لگتے ہیں۔ عالمی سطح پر صدام حسین کے خلاف کیمیائی ہتھیاروں کی جھوٹی کہانیاں ایسی رنگا رنگی سے پیش کی گئی تھیں کہ بقول برطانوی وزیراعظم گورڈن براؤن پورے عراق کے نقشے پر کیمیائی ہتھیاروں کو کسی ویڈیو گیم کی طرح سجایا گیا تھا۔ بالکل ویسے ہی پاکستان میں سوات کی لڑکی پر کوڑے برسانے والی جعلی ویڈیو سے یہ تاثر پھیلایا گیا تھا جیسے پورے علاقے سے قانون کی حکمرانی ختم ہو چکی ہے اور عوام اب طالبان کے رحم و کرم پر ہیں۔ اسی طرح ملا محمد عمرؒ کے پُرامن افغانستان کے خلاف دو منٹ سے بھی کم کی ویڈیو جس میں کھمبے پر ٹیلی ویژن سیٹ لٹکائے گئے تھے اور برقعہ پوش عورتوں کو ہانک کر گھروں کو بھیجا جا رہا تھا۔ ان تمام جھوٹی ویڈیوز، بے بنیاد رپورٹوں اور بغیر ثبوت چلائی جانے والی پراپیگنڈہ مہم کی بنیاد پر جو قتل عام شروع کیا گیا، جتنے لوگ بے گھر ہوئے اور جیسے ملک اجڑے، اس مکروہ منظرنامے کو میڈیا خوبصورت الفاظ کے حسن اور شاندار کامیابیوں کے تصور سے خوشنما بنا کر پیش کرتا رہتا ہے۔ بہت دنوں سے اس بات کا خطرہ تھا کہ جو بائیڈن کے آنے کے بعد میڈیا کب افغانستان میں آئندہ امریکی ظلم و دہشت گردی کو جاری رکھنے کے جواز کے لیے راہ ہموار کرنا شروع کرے گا۔ آج، 5 مارچ 2021ء کو نیویارک ٹائمز کے صفحہ اوّل سے یہ آغاز ہو گیا۔ اخبار کے صفحہ اوّل پر جو عموماً 20x12 انچ کا ہوتا ہے، اس میں 12x9 انچ کا ایک باتصویر مضمون چھپا ہے جس کا عنوان ہے ’’Taliban Universe of suffering‘‘ یعنی ’’طالبان کی اذیت ناک دنیا‘‘۔ اس میں چار گمنام لوگوں کے انٹرویو اور تصاویر ہیں جو طالبان کی قید میں رہے اور وہاں کی اذیتوں کے بارے میں کہانیاں سنا رہے ہیں۔ یہ وہی عالمی میڈیا ہے جس نے چند ماہ پہلے طالبان کی قید میں رہنے والے آسٹریلوی پروفیسر ’’ٹموتھی ویکس‘‘ (Timothy Weeks) کی رہائی، قید کے دوران مسلمان ہونے اور طالبان کے شاندار رویے کے تذکروں کا مکمل ’’بلیک آؤٹ‘‘ کیا تھا۔ میڈیا کی اس پراسرار خاموشی کو توڑنے کے لیے میں نے پروفیسر ٹموتھی ویکس جس نے اپنا اسلامی نام ’’جبرائیل عمر‘‘ رکھا تھا، اسے اپنے پروگرام میں بلا کر براہ راست انٹرویو بھی کیا۔ لیکن میری یہ کاوش بھی صدا بصحرا چلی گئی، کیونکہ میڈیا والوں کے لیے خبر تو وہی ہے جو اسلام یا مسلمانوں کے خلاف آئے کیونکہ سنسنی تو اسی سے پیدا ہوتی ہے اور ایسی ہی خبر ’’ایجنڈے کی تکمیل‘‘ بھی کرتی ہے۔ نیویارک ٹائمز میں چھپنے والا یہ مضمون ایک آغاز ہے اس پراپیگنڈہ مہم کا جس سے ایک ایسی فضا پیدا کی جائے گی کہ یورپ اور امریکہ میں بسنے والے سادہ لوح عوام یہ تصور کرنے لگ جائیں کہ افغانستان کے ’’سانپوں‘‘ کو کچلنا امریکی سلامتی اور مغرب کی عالمی عزت کو بچانے کے لیے بہت ضروری ہے۔ ارون دتی رائے نے اپنی ایک تقریر میں میڈیا کے اس خوفناک چہرے سے نقاب اتارتے ہوئے کہا ہے کہ پوری امریکی جمہوریت میڈیا کے ’’کھوکھلے ستون‘‘ پر کھڑی ہے۔ اس کے نزدیک امریکہ اس دنیا میں جہاں چاہے ایک جہنم آباد کرنا چاہے تو کر سکتا ہے اور میڈیا اسے مکمل طور پر جائز بتائے گا۔ تین جولائی 1988 کو خلیج فارس میں موجود امریکی جہاز سے ’’حادثاتی‘‘ طور پر ایک میزائل ایران کے مسافر طیارے پر داغا گیا جس سے 290 مسافر جاں بحق ہو گئے۔ اس وقت امریکہ میں ’’جمہوری الیکشنوں‘‘ کا میلہ سجا ہوا تھا۔ جارج بش سینئر سے اس پر تبصرہ کرنے کو کہا گیا تو اس نے کہا ’’میں امریکہ کی جانب سے معافی نہیں مانگوں گا اور مجھے اس بات کی پرواہ بھی نہیں کہ اصل حقائق کیا ہیں‘‘۔ امریکہ اور مغرب اصل حقائق کو جاننا ضروری نہیں سمجھتے بلکہ وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ حقائق تو وہ ہوں گے جنہیں ہم خود میڈیا کے ذریعے تخلیق کریں گے۔ جب امریکہ نے عراق پر حملہ کیا تو نیویارک ٹائمز کے CBS سروے کے مطابق 42 فیصد امریکی عوام اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ صدام حسین گیارہ ستمبر کے حملے میں براہ راست ملوث ہے۔ اے بی سی کے سروے کے مطابق 55 فیصد امریکی عوام سمجھتے تھے کہ صدام القاعدہ کی براہ راست مدد کرتا ہے۔ ان دونوں میں سے کسی ایک بات کا بھی کوئی ثبوت نہیں تھا۔ لیکن یہ رائے عامہ دو میڈیا تکنیکوں سے تخلیق کی گئی تھی۔ ایک اشارہ کنایہ سے الزام (Insinuation) لگانا اور دوسری لوگوں کے ذہن میں اپنی مرضی کی رائے ڈالنا (Autosuggestion)۔

یوں اس کھلے جھوٹ کو امریکہ میں کارپوریٹ میڈیا کے ذریعے عوام میں پھیلا کر رائے عامہ حاصل کی گئی۔ ایسے ہی میڈیا کو ”فری پریس“ کا نام دیا جاتا ہے۔ عراق اور القاعدہ کے ساتھ تعلقات کے جھوٹ کے ساتھ ساتھ عراق کے کیمیائی ہتھیاروں سے لوگوں کے دلوں میں ایک انجانا خوف پیدا کیا گیا اور جب یہ معاملہ ”چھوٹے“ جارج بش کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے کہا کہ ”عراق پر حملہ نہ کرنا دراصل پورے امریکہ کے لیے خودکشی کے مترادف ہوگا“۔ پھر اس کے بعد ایک لمبی داستان ہے۔ عراق بموں، میزائلوں، ٹینکوں، توپوں کی زد میں تھا اور لاکھوں لوگ بارود اور آگ کی نذر ہو رہے تھے۔ عراق تو ایک تازہ مثال ہے لیکن ایسے ظلم کی داستانیں تو کیوبا، نکاراگوا، لیبیا، گرینڈا، پانامہ اور ویت نام جیسے لاتعداد ممالک میں بکھری ہوئی ہیں جہاں میڈیا امریکی مظالم کو خوبصورت بنا کر پیش کرتا ہے۔ ہالی ووڈ ریمبو جیسی فلمیں بناتا ہے اور شکست خوردہ امریکی سپاہیوں کا مورال بلند کرتا ہے اور قوم کو قتل وغارت کا جواز فراہم کرتا ہے۔ ہر انسان کو چین کی نیند سونے کے لیے اپنے جرم کا جواز چاہیے ہوتا ہے، میڈیا امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو یہ جواز فراہم کرتا ہے۔ وہ ان کے قتل وغارت کو نہ صرف مقدس بنا کر پیش کرتا ہے، بلکہ عام آدمی کے دلوں اور ذہنوں میں بھی مظلوم کا تصور بھی بدل کر رکھ دیتا ہے۔ میڈیا عراق میں کئی منزلہ عمارت پر گرنے والے میزائل کو براہ راست دکھاتے ہوئے کبھی اس میں موجود کئی سو عورتوں اور بچوں کی چیخیں نہیں سنواتا لیکن ایک امریکی سپاہی کے تابوت سے لپٹے ہوئے بچے کی ویڈیو دکھا کر یہ تاثر دیتا ہے کہ ”اصل مظلوم“ تو یہ بچہ ہے جس کا والد افغانستان میں نہتے لوگوں پر بم برسانے گیا تھا اور مارا گیا۔ وہ کئی سو بچے اور عورتیں جو اس عمارت میں مارے گئے وہ تو دہشت گرد تھیں۔ نیویارک ٹائمز کے اس مضمون کو اگر آج ایک آغاز سمجھ لیا جائے تو یاد رکھیں اب نئے نئے بدترین جھوٹوں کے پراپیگنڈے کے دن ایک بار پھر آنے والے ہیں جس کے نتیجے میں دنیا بھر میں ایک بار پھر ایک بدترین جنگ مسلط ہوگی اور اس جنگ کا میدانِ جنگ۔۔۔ وہ تو بیس سال پہلے سے سجا ہوا ہے۔

(بشکریہ روزنامہ ”92“ 6 مارچ 2021ء)

دستِ ہر نااہل......

عامرہ احسان
amira.pk@gmail.com

کورونا کی تیسری لہر کا اب ہمیں سامنا ہے۔ زمینی حقائق یہی ہیں کہ سندھ، پنجاب اور ادھر اسلام آباد، راولپنڈی میں بھی ہسپتال ایک مرتبہ پھر مریضوں سے بھر گئے ہیں۔ پی ایس ایل جتنی دھوم دھام سے شروع کیا گیا تھا، اتنا ہی اچانک لپیٹ دیا گیا۔ 'بائیو ببل' کے عنوان سے غیر معمولی احتیاطی تدابیر کا اہتمام کیا گیا مگر وہ ببل (بلبلہ) ہی ٹھہرا اور کورونا کے ہاتھوں یک لخت بھاری مالی نقصان، لاکھوں شائقین کی مایوسی میں ڈوبا پی ایس ایل جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ 3 دن کے اندر نام نہاد فول پروف احتیاطی اقدامات کے باوجود 9 کھلاڑی اور عملہ، وائرس میں پکڑے گئے۔ پاکستان کیا اتنی بڑی عیاشی کا متحمل ہو سکتا تھا؟ وقت اور قوتوں کا ایسا بھاری نقصان۔ تعلیمی سال کا کورونا کے ہاتھوں زیاں ہونے کے بعد نوجوانوں کو ان تماشوں میں الجھا کر ہم کون سی قومی ترقی کا سامان کر رہے تھے؟ اخلاقیات کا جنازہ اس کے افتتاحی پروگرام میں نکالا جا چکا ہے۔

کھیلیں عالمی صنعت، گلوبل بے حیا ثقافت وسیاحت، سود جوئے کا مرکب، سارے شرعی عیوب سے آراستہ پیراستہ اللہ کے غضب کو ہانکے پکارے بلانے کا سبب مزید ہے۔ گزشتہ ایک سال پورے عالم نے کورونا کے ہاتھوں جو کچھ تھپیڑے سہے، اس کے عذابِ الٰہی ہونے پر کوئی شک وشبہ نہیں۔ تاہم من حیث القوم ہم نے اللہ سے منہ موڑنے میں جس بے خوف ڈھٹائی کا مظاہرہ کیا وہ بھی دیدنی ہے۔ درمیان میں کچھ مہلت عمل ملنے کی دیر تھی کہ ہر سطح پر حد شکنی کے طومار باندھے۔ چہار جانب شادیوں بیاہوں کے دھوم دھڑکے، ناچ گانے، آتش بازیاں، بے حیائی کے مظاہرے۔ پی ایس ایل کی افتتاحی تقریب نمونۂ عمل بن گئی۔ اسلام آباد میں سیاحت کے نام پر تین روزہ نمائش میلہ، فیملی فیسٹول سجایا گیا، جو حسب توقع کھیل تماشوں، کھانے پینے کے ہمراہ راگ رنگ کے بھرپور اہتمام لیے ہوئے تھا۔

ایک طرف سیاسی جوڑ توڑ، خرید وفروخت، سرپھٹول جوتا بازی عروج پر ہے۔ دوسری طرف ہر بہانے سے ناچنے گانے شغل میلے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا جاتا۔ معیشت بدترین حال میں ہے۔ مہنگائی سانس سلب کیے دے رہی ہے، مگر سرکاری اہتمام ہائے ہاؤ ہو دیکھ کر کہیں گمان نہیں ہوتا کہ ملک کسی نازک دور سے گزر رہا ہے یا قومی سطح پر ہمیں سنگین بحرانوں کا سامنا ہے۔ کورونا کی وبا نے پوری دنیا تلپٹ کر کے رکھ دی ہے۔ اب یکا یک ہم پر از سر نو اس کی یلغار ہے۔ جو محدود عافیت کا وقت ملا تھا اس میں تلافی مافات کی فرصت ہی نہ تھی۔ بجائے اس کے کہ جنگی بنیادوں پر تعلیمی کمی پوری ہوتی، سرکاری سطح پر پوری سنجیدگی سے منصوبہ بندی ہنگامی بنیادوں پر کی جاتی، امریکا یورپ میں کورونا کی نئی لہر کے پیش نظر یہاں طبی پلاننگ کی فکر ہوتی، پوری قوم کو میلوں ٹھیلوں کی نذر کیے رکھا۔

لگتا ہی نہیں کہ یہ قوم حامل قرآن ہے، وحی الٰہی اس کے علمی ورثے کا بیش قیمت سرمایہ ہے۔ ”اگر بستیوں کے یہ لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔ مگر انہوں نے تو جھٹلایا، لہٰذا ہم نے اس بری کمائی کے حساب میں انہیں پکڑ لیا جو وہ سمیٹ رہے تھے۔ کیا یہ لوگ اللہ کی چال سے بے خوف ہیں؟ حالانکہ اللہ کی چال سے بے خوف وہی قوم ہوتی ہے جو تباہ ہونے والی ہو“۔ (الاعراف: 96 تا 99)

جو کسر رہ گئی تھی وہ 8 مارچ کا عالمی فتور پاکستان میں شہر شہر برپا تھا۔ بے فکر خوش حال، خوش باش این جی او زدہ مستغربین، مغربی عورت سے یک جہتی کو سڑکیں ناپ رہی تھیں۔ ”بے کار مباش کچھ کیا کر، سب کچھ ادھیڑ کر رکھ دیا کر!“ کے تحت قوم کا اخلاقی فیبرک (لباس) تار تار کرنے کو حیا باختہ حلیوں اور نعروں سے ہنگامہ آرا رہیں۔ سارا طوفان پدرسری نظام ختم کر کے خودسری نظام قائم کرنے کو کھڑا تھا۔ کسی باپ بھائی کی کیا مجال کہ وہ سر دھڑا بن کر آمدورفت میں بہن، بیٹی کو محرم سیکورٹی فراہم کرے! ہاتھوں میں بینر کہہ رہا تھا: ”یہ میں ہوں، یہ مرا جسم ہے اور یہ میری مرضی ہے“ اور موصوفہ کا حال حلیہ ہانکے پکارے یہی صدا لگا رہا تھا۔ ٹھمکے لگاتی، لچکتی مٹکتی، عورت کے وقار کی دھجیاں بکھیرتی، شہر شہر سڑکوں کی خاک پھانک رہی تھیں۔

تین صدیوں زن سے نازن ہوتی، نسوانیت سے نجات پا کر جو مخبوط الحواس عورت آزادی کا سفر طے کرتی مغرب سے برآمد ہوئی ہے، یہ اسی کا چربہ ہے۔ آزادی کے اس وحشت زدہ سفر میں عورت نے عزّت و وقار کھویا، عفت و عصمت کھوئی، گھر، خاندان، پاکیزہ رشتوں کی محبت کھوئی۔ باکردار نسلیں پروان چڑھانے کی جو ذمہ داری اس کارگہِ عالم میں اسے سونپی گئی تھی، یہ اس مقدّس اور صبر آزما خونِ جگر طلب فرض سے فرار کی راہ تھی۔ نفسانیت اور حرص و ہوس کی دوڑ میں ماں کا پاکیزہ عمیق جذبہ کھو یا گیا۔ دنیا پر ٹرمپ نیتن یاہو اور مودی جیسے درندے اگر مسلط ہوئے تو اس عورت کے فکری انتشار اور بے راہ روی کے شجر خبیثہ کے زہریلے پھل ہیں جو مقدّر ٹھہرے۔ بے لباس، بداطوار، حیاباختہ عورتوں کے طوفانِ بدتمیزی کو آزادی، مساوات اور خود اختیاری کا نام دیا گیا ہے۔ کہتی ہیں ؎

جسم شعلہ بنا روح باغی ہوئی اب مروّت نہیں اپنا حق چاہیے!

گھروں کے سکون و قرار و وقار ان شعلہ بدن، باغی روحوں نے چھین لیے۔ درست کہتی ہیں ناچ کر کہ یہ مروّت کے لائق نہیں رہیں۔ چودہ صدیوں کی اخلاقی میراث کے پرزے اڑاتی اس چند سالہ کہانی کا حرف حرف بغاوت پر مبنی نئی نسل سے سبھی اقدار چھیننے کے نعروں سے مسلح ہے۔ پوری A,B,C جاری کی ہے۔ نمونہ دیکھ لیجیے۔ اس میں 'A' سے آزاد ہے تو Q سے قندیل بلوچ۔ وہ لڑکی جو آزادی کے نام پر حیا کے پرخچے اڑاتی سوشل میڈیا پر سیاہیاں بکھیرتی قتل ہوگئی۔ اسے نسوانی بہادری کا نمونہ بنا کر آج کی عورت کے لیے رول ماڈل بنایا ہے۔ 'L' سے سکوٹر پر ٹانگیں پھیلا کر مردانہ وار سڑکیں ناپنے کو دوپٹے کی قید سے آزاد لڑکی دکھا کر لکھا ہے: 'لو بیٹھ گئی صحیح سے!' یہ معراج ہے آزادی و ترقی کی جس تک پہنچنا ان کا خواب ہے! یہ بھی غم ہے کہ گھر سے دھنیا پودینہ، دہی لینے، تنور کی لائن میں لگنے لڑکا کیوں جاتا ہے! ان کا اعتراض ہے کہ ایسا صرف ہراسانی کے خوف سے ہے! غرض بہکے بھٹکے دماغوں کی ایسی اختراعات ہیں کہ ''حیران ہوں، دل کو پیٹوں کہ روؤں جگر کو میں!'' تھرک تھرک کر گا بجا رہی تھیں: ''یہ زمین ہم سب کی ہے مردوں کی جاگیر نہیں۔ یہ سڑکیں/ یہ شہر ہم سب کے ہیں مردوں کی جاگیر نہیں''۔ کچھ سڑکیں (جو ان کی فکر نارسا کی طرح ادھڑی ہوئی ہوں) ان کے نام کر دیجیے، شاید کچھ تشفی ہو جائے...!!

مغرب میں اس دیوانگی کی خبر لینے کو خود آزادیٔ نسواں کی ہی ایک پرانی بھاری بھرکم دانشور، پروفیسر خاتون ان کی زبردست نقّاد بن کر انہیں آئینہ دکھاتی ہے۔ اب اسے (ان کے ہاتھوں) مرد مظلوم نظر آنے لگ گیا ہے۔ کمیلا اینا پالیا کہتی ہے: ''عورت غالب صنف ہے۔ مرد کو بہت کچھ ثابت کر کے دکھانا ہوتا ہے کہ وہ عورت کی توجہ کے لائق ہے''۔ اس ایک جملے میں جہانِ معنی پنہاں ہے۔ مغربی مرد تو خود بگڑا اتنگڑا بے راہ رو ہے۔ مسلم (نارمل) مرد پوری زندگی عورت (بیوی) کی پاکیزہ رفاقت نبھانے کے لیے گھر بچوں کے لیے کولہو کے بیل کی طرح جتا بال سفید کر کے 60 سال کی عمر میں گھر لوٹتا ہے تھکا ماندہ! انہیں مکھی کی طرح معاشرے کی بہترین مثالیں چھوڑ کر فلموں ڈراموں سکرینوں کے ہاتھوں بگڑے مردوں کی گئی گزری کہانیاں ہی راس آتی ہیں۔ انہی کو لئے واویلا کناں رہتی ہیں۔ کمیلا زنا بالجبر (ریپ) پر بھی عورت کو آڑے ہاتھوں لیتی ہے: ''میں مردوں کو ریپ کے لیے موردِ الزام ٹھہرانے سے بےزار ہوں، جیسے اس میں عورت کا کوئی کردار ہی نہیں۔'' اس میں وہ پُرکشش بن کر مرد کے گرد منڈلانے اور اسے سگنل بھیجنے پر عورت کو مطعون کرتی ہے۔ غرض یہ مسئلہ زن رہا وہیں کا وہیں! علاج اس کا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی! مگر یہ علاج کروانے پر راضی تو ہوں!

دستِ ہر نااہل بیمارت کند سوئے مادر آ کہ تیمارت کند!

مغرب کی تشنہ بہکی بھٹکی رلی ہوئی عورت اسلام کے دامن رحمت میں آ کر شفایاب ہو رہی ہے۔ ہماری اردو سمجھ نہیں آتی تو طالبان کے ہاں سے آبِ حیات پانے والی ایوان ریڈلے ہی سے انگریزی میں سمجھ لو۔ مغرب کے ہوس پرستوں کے ہاتھوں برباد ہوئی عورت کے لیے ایوان ہی کی طرح قرآن میں شفا ہے۔ ''کیا وہی نہ جانے گا جس نے پیدا کیا، حالانکہ وہ باریک بین اور باخبر ہے''۔ (الملک: 14) خالق سے بڑھ کر ہماری نفسیات، ضروریات کون جان سکتا ہے؟ اس سے بڑھ کر ہم سے محبت کرنے والا خیر خواہ کون ہوگا؟ ہوش کے ناخن لینے کی ضرورت ہے بس!

Narendra Modi became prime minister in 2014, with increased pressure on human rights organizations, rising intimidation of academics and journalists, and a spate of bigoted attacks, including lynchings, aimed at Muslims. The decline only accelerated after Modi's reelection in 2019; Last year, the government intensified its crackdown on protesters opposed to a discriminatory citizenship law and arrested dozens of journalists who aired criticism of the official pandemic response. Judicial independence has also come under strain; in one case, a judge was transferred immediately after reprimanding the police for taking no action during riots in New Delhi that left over 50 people, mostly Muslims, dead;"

India has never been a democracy, much less one claiming to be the world's "largest"; How can a country claim to be "free" when discrimination based on Caste—a hierarchical system—is still an entrenched feature of social and economic life? Modi himself honed his murderous skills in the anti-Muslim pogroms of February 2002 when he was chief minister of Gujarat state. More than 2,000 Muslim men, women and children were hacked to death or burnt alive. That a country would elect a mass murderer speaks volumes for the nature of that society. Freedom House report is merely the tip of the iceberg of a society based on hatred, oppression and tyranny, especially against religious minorities.

It must be noted that because of his gory record, Modi was barred entry into the US from 2005 until his election as prime minister in 2014. Thereupon, USA, for obvious interests suddenly became all warm and fuzzy to the mass murderer and his ilk.

<u>**Source**</u>: ***An article published by Crescent International***

Lynchings, killings and attacks on Muslims rampant in India, says Freedom House report

The March 3 report by the US-based Freedom House downgrading India's status from a "free" to "partly free" country has led to predictably acerbic reaction in Delhi. From the Hindu fascist regime of Narendra Modi to its drum-beaters in the media, all have gone berserk.

The report is seen as a major blow to India's self-crafted image as the world's largest democracy; While the report's two authors, Sarah Repucci and Amy Slipowitz, have highlighted the failings of all countries including China (no surprise there) and the US (under Donald Trump), they have downgraded 73 countries. Their report, however, is particularly scathing of India's conduct;

"The government of Prime Minister Narendra Modi and its state-level allies continued to crack down on critics during the year [2020], and their response to COVID-19 included a ham-fisted lockdown that resulted in the dangerous and unplanned displacement of millions of internal migrant workers. The ruling Hindu nationalist movement also encouraged the scapegoating of Muslims, who were disproportionately blamed for the spread of the virus and faced attacks by vigilante mobs. Rather than serving as a champion of democratic practice and a counterweight to authoritarian influence from countries such as China, Modi and his party are tragically driving India itself toward authoritarianism," the report said;

The Modi regime's response? "Misleading", screamed a headline in the regime mouthpiece NDTV that leads the pack in defending every action of Modi and his henchmen. The regime's rejoinder to Freedom House report, reproduced by NDTV on March 5 said: "Many states in India are ruled by parties other than the one at the national level, through an election process which is free and fair and which is conducted by an independent election body...."

This is clearly false....

Uttar Pradesh, India's largest state (population 200 million) is controlled by the Bhartiya Janata Party (BJP) led by Modi at the center. While there are 185 million Muslims in India, not one Muslim was given a ticket to run for parliament from Modi's party; Instead, during the April-May 2019 elections, Modi's henchmen threatened Muslims that if they did not vote for the BJP, the party would not give them any rights and expel them from the country; Since Modi's re-election in 2019, he has intensified his anti-Muslim campaign. Innocent Muslims have been attacked and publicly lynched while the police have merely looked on or even joined the Hindu mobs in some instances.

Hindustan Times, another regime drum-beater, enumerated on March 5, seven points that it said the Modi regime had highlighted to rebut the Freedom House report. It included the misleading claim that many states in India are "ruled by parties other than the one at the national level, through an election process which is free and fair;"

In India's current parliament, at least 40% members face serious criminal charges such as rape, murder, extortion and other criminal acts. What kind of an election monitoring body would permit criminals to participate in elections and then sit in parliament?

Not surprisingly, the Freedom House report pointed out: "Political rights and civil liberties in the country have deteriorated since

Vol: 30 Regd. No. C.P.L NO.114 No.10

Weekly **Nida-e-Khilafat** Lahore